

حقیقت میں یہ سلسلہ نہایت مفید ہے، اور آگے چل کر جب یہ زمانہ حال، مٹی بن جائیگا تو اس کتاب کا ایک صفحہ نعل گوہر کے ہم پلہ ہوگا، مؤلف کو اس کی اس علمی خدمت پر جس قدر مبارکباد دی جائے، وہ کم ہے۔ اس پیش نظر جلد میں ہندوستان کے ہر صوبہ کے ہر مذہب کے، اور ہر قوم کے اکابر کے دلچسپ واقعات و سوانح و خدمات فراہم ہیں، چونکہ یہ سلسلہ نہایت اہم ہے اس لئے ہم جناب مؤلف کو حسب ذیل امور کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں،

مؤلف نے لوگوں کے حالات کے لکھنے میں کوئی خاص ترتیب پیش نظر نہیں رکھی ہے، حالانکہ کیا تو ان میں زمانہ کی ترتیب رکھنی چاہئے تھی یا اصناف خدمات پر ان کو مرتب کرنا چاہئے تھا، مثلاً علمی، مذہبی، سیاسی، تعلیمی اکابر کو علیٰ غلظت ابواب میں منقسم کرنا چاہئے تھا، کتاب کے آخری اؤل میں فہرست ضروری تھی، چونکہ یہ باقی رہنے والی چیز ہے، اس لئے اس کی لکھائی چھپائی اور کاغذ کا اہتمام کرنا چاہئے تھا، با این جمیع ہم مؤلف کو ان کی اس اہم خدمت پر مبارکباد دیتے ہیں، بھارت سمجھا کے بجائے اگر اس کا نام بھارت سپوت ہو تا تو بہتر ہوتا، صفحات ۲۶۸ قیمت ۲۶، تہ: نسیم بک انجینی، بشیر منزل، ترکمان دروازہ دہلی،

شاعری کی تیسری کتاب، خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی، اردو زبان کے قدیم خدمت گزاروں میں ہیں، خواجہ صاحب ہمیشہ کچھ نہ کچھ زبان کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں، اس لئے میں مؤلف نے اردو زبان کے علم قوانی اور عیوب قافیہ کو لکھا ہے، ہر مسئلہ کو آسان اور سہل طریقہ سے لکھ کر اردو اشعار سے اس کی مثال دی ہے، مبتدی شعرا کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ مفید ہوگا، ضخامت ۸ صفحات قیمت ۸، مؤلف سے، احاطہ خانسا مان لکھنؤ سے طلب کیجئے۔

انتخاب زرین - سید اس مسعود صاحب کے تذکرہ شعرا کے اردو کا ذکر گذشتہ معارف میں چکا ہے، غلطی سے اس کی قیمت اور پائے کا پتہ اس میں لکھنے سے رہ گیا، قیمت عبارتہ ذوالقرنین بدایون۔

جلد دسّم

ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۲ء عدد ششم

مضامین

شذرات

۴۰۲ - ۴۰۶

وحدة الوجود اور اکابر اسلام

دیوان طالب

نظریہ اضافیت

خاندان تغلق

سلمان ساوجی

خطوط مینخی

اخبار علمیہ

نواب علانی اور مرزا غالب

ادبیات

ضرورت وقت

مطبوعات جدیدہ

مولانا عبدالسلام ندوی

۴۰۱ - ۴۰۲

جناب مولانا حبیب الرحمن خان شریانی صاحب دہلی

پروفیسر احمد علی ایس کی، جامعہ عثمانیہ ۴۲۶ - ۴۳۸

سید انصاری صاحب تعلیم جامعہ تکیہ ۴۳۹ - ۴۵۳

۴۵۴ - ۴۵۸

۴۵۹ - ۴۶۰

۴۶۱ - ۴۶۲

۴۶۳ - ۴۶۴

۴۶۵ - ۴۶۶

۴۶۷ - ۴۶۸

۴۶۹ - ۴۷۰

۴۷۱ - ۴۷۲

جوہر حسرت، طاہر

مولوی ابوالکھانات ندوی

۴۷۳ - ۴۷۴

۴۷۵ - ۴۷۶

مشہد

بے مہرئی دہرین کہ در یک ہفتہ

گل سرزد و غنچہ کرد و شکفت و ریخت

نہایت رنج و افسوس اور حسرت و اندوہ کے ساتھ ہم ناظرین کو یہ خبر سناتے ہیں کہ ملک کی بزم انش کا ایک نوجوان ممبر اٹھ گیا، مولانا محمد یونس زرنگی محلی مرحوم نے پچھلے مہینہ لکھنؤ میں برضہ دق وفات پائی، مرحوم مولانا عبدالحی مرحوم زرنگی محلی کے نواسہ تھے، اور اپنے ذاتی علم و فضل میں اپنے ہم عصر نوجوانوں میں ممتاز تھے، ۲۴ - ۲۵ برس سے زیادہ عمر نہ تھی، معقولات اور فلسفہ سے ادن کو خاص دلچسپی تھی، اور اپنی عمر کا بڑا حصہ انہیں کی تحقیق اور کاوش میں بسر کیا، خود اپنے ذاتی شوق سے انگریزی اور فلسفہ جدید حاصل کیا، دارالمصنفین اور معارف سے مرحوم کو خاص محبت تھی، کئی سال سے ادن کی صحت خدوش تھی، با این ہمہ وہ اپنے علمی انہماک سے باز نہیں آتے تھے، گزشتہ سال عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہو کر گئے تھے، وہاں مرض نے طول کھڑا۔ آخر وطن آکر اس شہید علم نے جان دی، مرحوم کی ایک کتاب روح الاجتماع دارالمصنفین سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے، اور اپنی ایک اور دو مہری تصنیف ابن رشد کا مسودہ وہ دارالمصنفین میں بھیج چکے تھے جو عنقریب چھپ کر شائع ہوگی، مرحوم کے دوستوں کو ادن کی ذات سے بڑی بڑی توقعات تھیں، اور خیال تھا کہ ادن کی کوششوں سے زرنگی محلی کی عقلی اور فلسفیانہ شان پھر دوبارہ زندہ ہوگی، افسوس کہ دست اجل نے امان ندی انا للہ،

دائینا پائینت آسٹریا جنگ سے پہلے علوم و فنون کا ایک مرکز تھا، لیکن جنگ یورپ نے جس طرح اس کا شیرازہ بکھیر دیا، اس کا پُر افسوس منظر یہ ہے کہ دائینا یونیورسٹی کا مال جو ۱۹۱۵ء سے مرمت طلب تھا اس درجہ تباہ اور کمزور ہو گیا ہے کہ وہ اب مطلق کام کے لائق نہیں رہا ہے، تاہم آسٹریا کی عام مالی حالت اس کی درستی کا سامان نہیں کر سکتی، اسلئے یورپ کی اصطلاح میں وہ مردہ ہو گئی، حقیقت یہ ہے کہ اس جدید تمدن نے تفسیر اور تکلف کی مہرمانہ نمائش کی جو عادت پیدا کر دی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نفس مقصد سے زیادہ، حواسی اور تعلقات کی زربائش اور دیکھا دے پر صرف کرنا پڑتا ہے، اب ان تعلیم کے اندر جو کچھ ہو، مگر اس کے ظاہری درود یوار کے نقش و نگار اور رنگ و روغن میں عرب و عجمیت کا ظہور ضروری ہے، خدا جانے یہ طلسم باطل کب ٹوٹے گا،

جدید یورپین تمدن کے مداح اس کے مناقب کی تصنیف و خوانی کرتے ہوئے سب سے زیادہ زور اس بات پر صرف کرتے ہیں کہ اس تمدن نے دنیا کے بڑے بڑے عجائب زار شہروں کو پیدا کیا ہے، جن کی تنہا آبادی دوسری قوموں کے پورے ملک کی آبادی کے برابر ہے، لیکن شاید انہیں یہ نہیں معلوم کہ ان عظیم الشان شہروں کی آبادیاں اس وقت تک بقیاس نہیں ہوئی ہیں، جب تک اون کے پاس کے ہزاروں گاؤں برباد نہیں ہوئے ہیں، سید جمال الدین افغانی نے ایک دفعہ عروۃ الوثقی میں ہندوستان کے متعلق لکھا کہ انگریز کہتے ہیں کہ ہم نے ہندوستان آکر، یہاں بسبئی، مدراس، کلکتہ جیسے شہر بنائے، لیکن معلوم ہے کہ ہندوستان کو اپنی کتنی متاع گرا نامیہ لٹا کر یہ چند مصنوعی شہر ہاتھ آئے ہیں، پٹنہ، ڈھاکہ، مرشد آباد، بکرا، کلکتہ بنا ہے، سورت، کھنڈایت، احمد آباد، پٹنہ وغیرہ اجڑ کر بسبئی تعمیر ہوا ہے، ارکات اور کوچی وغیرہ نے مدراس اور دہلی نے کراچی کی صورت اختیار کی ہے، اسلئے صرف شہروں کی جگہیں اور تجارت کی منڈیاں بدل گئیں اور حقیقت میں جہاں ہندوستان پہلے تھا اس حیثیت سے وہیں اب بھی ہے،

لیکن گذشتہ جنگ عظیم نے جہان یورپین تمدن کی بیسیوں کمزوریوں اور عیوب کو نمایان کر دیا ہے اور ان
اس خاص وصف آبادی کی کمزوری بھی بڑا ظاہر ہو رہی ہے، چنانچہ لندن جو دنیا کا سب سے بڑا آباد شہر ہے
بیس سال سے اس کی مردم شماری ہر سال کم ہو رہی ہے، اور یہ امر اس واقعہ کا ثبوت ہے کہ اس شہر کا آئندہ
کمال اپنے نقطہ اوج پر پہنچ کر اب گرا رہا ہے،

احاطہ تعلیمی کے مسلمان مت سے اس کوشش میں تھے کہ ممبئی یونیورسٹی میں اردو کو بھی جگہ ملنی چاہیے
اس کوشش کا بڑا حصہ ممبئی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے انجام دیا، احمد شہد کہ اس کی یہ کوشش کامیاب
ہوئی، اب اسکولوں اور کالجوں میں اس کو جگہ مل گئی ہے، خاص اردو اسکول الگ قائم ہوئے ہیں،
یونین اردو ٹریننگ اسکول چند سال سے قائم ہے، کالج کے اعلیٰ امتحانات ادب میں اردو بھی داخل ہو گئی
ہے، اب اردو ٹیکسٹ بکس لے کر قائم ہو گیا ہے، جس کا مرکز پونہ ہے، اور ہمارے دوست پروفیسر شیخ عبدالقادر
الغفٹن (کالج) اس کے صدر ہیں، اس کے زیر اہتمام اردو نصاب کی ۴۲ کتابیں تیار ہو رہی ہیں،
اردو کتابوں پر انعام کا سلسلہ بھی جاری ہوا ہے، کیا الہ آباد یونیورسٹی کے ارکان اور حکام، اس سے سبق
لے سکتے ہیں؟ حضرت شیخ کا قول کیسا سچا ہے، ”نبی بے عزت نہیں گرا اپنے وطن میں“

ابھی حال میں انگلستان میں پارلیمنٹ کے ممبروں کا جو انتخاب ہوا ہے، اس سے بعض عجیب
انکشافات ہوئے ہیں، رائے دہندہ عورتوں کی تعداد بے انتہا بڑھ گئی ہے، بلکہ بعض حلقوں میں رائے دہندہ مردوں
سے رائے دہندہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہے، دوسرے عہدوں کو چھوڑ کر صرف بحسبیت انگلستان میں
اس وقت ۶ ہزار عورتیں ہیں، اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ آئندہ اگر یہی ترقی جاری رہی تو انگلستان میں
مردوں کی حکومت نے بجائے عورتوں کی حکومت قائم ہو جائیگی، پھر معلوم نہیں ”ہوم گورنمنٹ“ (خاندانی) پر آئندہ کس کی حکومت ہوگی؟

چنانچہ عورتوں نے اپنی کثرت رائے سے اپنی اصلاحات اور حقوق طلبی کا خود سامان کرنا
شروع کر دیا ہے، جنگ سے پہلے انگریز مرد ۳۰ برس کی عمر میں شادی کر لیتے تھے، مگر جنگ کے
بعد کچھ تو کثرت مصارت، اور گرانی کے باعث، اور کچھ اخلاقی انحطاط کے باعث، اب اول تو ۲۵
سے پہلے شادی نہیں کرتے، اس کے ماسوا عورتوں کو اپنے منسوب شوہروں (۹) سے سالہا سال باقاعدہ
نکاح کی امید داری کرنی پڑتی ہے، اور اکثر یہ توقع عدت کی زحمت انتظار اور خوشگوار تجربوں کے
بعد ٹھکت ہو جاتی ہے، ایسی حالتوں میں عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، دیلی میل راوی؟
کہ اس سال عورتوں نے ممبروں کو رائے دیے وقت اون ممبروں کو ترجیح دی جنہوں نے یہ وعدہ کیا
کہ انتخاب کے بعد پارلیمنٹ میں اس مدت انتظار اور زمانہ تجربہ کو کم کرنے کا قانون منظور کرانگے، لیکن
سچ یہ ہے کہ شریعت کو چھوڑ کر کوئی قوم قانون سے نہیں بن سکتی!

کلکتہ یونیورسٹی، ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں کی اصل اور بنیاد ہے، اسی کے تجربوں سے
ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیاں اپنا اصول و آئین بناتی ہیں، اور چند سال سے یونیورسٹی مذکور
کی مالی و قانون کا واقعہ، کوچہ و بازار کا افسانہ ہے، یونیورسٹی نے مجبور ہو کر گورنمنٹ سے امداد طلب کی،
نکلے حسابات نے اصلاح کی یہ تجویز سوچی کہ آئندہ سے یونیورسٹی کے حساب کے کاغذات گورنمنٹ میں
بیش ہو کر رہیں، یہ بات اس دریا دل لیکن خود دار یونیورسٹی کو پسند نہ آئی اور سنا ہے کہ اس نے
امت کر کے گورنمنٹ کی امداد سے قطعاً کنارہ کشی کر لی ہے، اگر یہ خبر سچ ہے تو دوسرے صوبوں کی
یونیورسٹیوں کے لیے اور خصوصاً قومی یونیورسٹیوں کے لیے، کلکتہ یونیورسٹی کی یہ نظیر شاید سبق آموز ہو،
اس نے ثابت کر دیا ہے کہ یونیورسٹی کی حقیقت سلطنت کا تعلق نہیں بلکہ تعلیم و تربیت کی عہدگی ہے، حضرت دروکتے ہیں
سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف جس کے ہاتھ آئے جام و جم ہے

دہلی ریاستوں میں تعلیمی ترقی کے لحاظ سے اب تک برودہ کا نام لیا جاتا تھا، مگر اسی سال سے ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست حیدرآباد نے جو تعلیمی ترقی کی رفتار ظاہر کی ہو اس سے اندازہ ہوتا ہو کہ وہ بہت جلد اس حیثیت سے بھی ہندوستانی ریاستوں میں اپنی شایان شان جگہ حاصل کرے گی، حیدرآباد کی سال گذشتہ (۱۳۲۹ء) کی جو تعلیمی روداد شائع ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سال سرکار نظام نے اس صیفہ پر ۴۳۶۰۴۱ روپے صرف کئے ہیں، جو برطانی ہندوستان کے موازنہ سے کہیں زیادہ ہے، اسی طرح مدارس اور طلبہ کی تعداد میں بھی کامیاب اضافہ ہوا ہے، چنانچہ سال زیر روداد میں ۴۳۰ نئے مدرسوں اور تیس ہزار ۶ سو ۴۴ نئے طالب علموں کا اضافہ ہوا، ایک دارالمعلمین اور ایک دارالمعلمیات نے کھلے، ۳۶۲ مواضع میں سے جن کی آبادی ۵۰۰ اور ایک ہزار کے درمیان ہے، اور وہاں مدارس قائم نہ تھے، سال زیر بیان میں ادون میں سے ۲۴۸ موضوعوں میں مدرسے قائم کر دیئے گئے، گلیہ جامعہ عثمانیہ کے ابتدائی وسطی جماعت میں پہلے سال ۱۲۹ طالب العلم داخل ہوئے تھے، دوسرے سال ۱۰۲ طلبہ داخل ہوئے،

حیدرآباد کی ان چند سالہ تعلیمی رفتار ترقی کا اندازہ ذیل کے نقشہ سے بخوبی ہوگا،

۱۳۲۹ء	۱۳۲۵ء	
۳۳۰۱	۱۰۵۳	لڑکوں کے مدارس
۶۸۵	۲۱۶	لڑکیوں کے مدارس
۱۸۴۴۹۸	۷۵۰۰	زیر تعلیم لڑکے
۳۲۰۸۵	۷۵۰۰	زیر تعلیم لڑکیاں
۴۳۰۰۰۰	۲۰۲۵۰۰	کل مصارف تعلیم

اردو زبان کے مصنفین اور مترجمین کی ہمت افزائی کے لئے انیسویں ہجری کے ہم کچھ نہ کر سکے، یہاں تک کہ کوئی ایسا ہمارا دارالاشاعہ بھی نہیں جو مستند اور سنجیدہ کتابوں کو بے معاوضہ ہی شائع کرنے کی ہمت کرے، پنجابی زبان خود پنجاب کی بھی علمی زبان نہیں، تاہم سکھ اصحاب اس کو ترقی دینے کی ہر ممکن کوشش کر رہے ہیں، سکھ ایجوکیشنل کانفرنس نے فیصلہ کیا ہے کہ پنجابی لٹریچر کو ترقی دینے کے لئے سال کی بہترین پنجابی تصنیفات پر انعامات تقسیم کیے جائیں،

آج کل "نیشنلسٹ" کے لئے اکثر ہماری زبان میں "قوم پرست" اور "وطن پرست" اور "نیشنلزم" کے لئے "قوم پرستی" اور "وطن پرستی" کے الفاظ بولے جاتے ہیں، چونکہ مذہبی حیثیت سے "پرست" کے معنی کو خیال کر کے اکثر یہ الفاظ محتاط اہل قلم کو کھٹکتے ہیں، جدید ایرانی محاورہ میں ان کی جگہ "قوم خواہ" اور "وطن خواہ" "قوم خواہی" اور "وطن خواہی" "قوم خواہانہ" اور "وطن خواہانہ" استعمال ہوتا ہے، کیا یہ محاورے اردو میں چل جائیں گے؟

معارف کے گذشتہ نمبر میں دنیا سے اسلام کے ذہنی انقلاب پر جو مضمون ہم نے شائع کیا تھا، اسلامی ممالک کے اخبارات کی

ہر تازہ آداون خیالات کی مزید تصدیق کے شواہد ہم پہنچا رہی ہیں، تاہم ۱۴ دسمبر کا تاریخی مشہور مصری عالم شیخ عبدالعزیز شادیش جو جنگ لبنان کے زمانہ سے اپنی مذہبی خدمات ترک کر کے منجانب سے رہے تھے، اور جو شیعہ کی ہنگامی صلح کے بعد جو منی میں جا کر بنا گزین ہو گئے تھے، اب وہ مجلس ملیہ کی طلبہ پر انکسورہ آگئے ہیں، اور وہاں حکومت کے اشارہ اور اعانت سے تبلیغ اسلام اور غور و خوض زمانہ کے مطابق مذہبی حکام و وسائل کی تشریح اور احکام فقادی کی تدوین کے فرائض انجام دینے کے لئے ایک انجمن کے قیام کا سامان کر رہے ہیں، جس کی شاخیں تمام ممالک اسلامیہ میں ہونگی، ہندوستان میں شیخ موصوف کو لوگ مدنیہ یونیورسٹی کی تجویز کے واضع اول کی حیثیت سے پہچان لینگے،

مقالہ

مسئلہ وحدت الوجود

کے متعلق

اکابر اسلام کے خیالات

(از مولانا عبد السلام صاحب ندوی)

ہمارے شوار نے اس مسئلہ کو اگرچہ جبر و صل کی داستان کی طرح ایک پامال مضمون بنا دیا، لیکن درحقیقت وہ صرف شاعرانہ تخیل نہیں ہے، بلکہ ایک فلسفیانہ حقیقت، ایک مذہبی عقیدہ، ایک اخلاقی نظریہ، اور ایک تاریخی مسئلہ ہے، جو باوجود گونا گون اشکالات و اعتراضات کے نہایت دلچسپ اور دل دہیز ہے،

مسئلہ وحدت الوجود کی تاریخ، مورخانہ حیثیت سے اس مسئلہ کو توحید و تنوید کی مشکلات نے پیدا کیا، اگرچہ یونان میں نہایت قدیم زمانے سے اس قسم کا ایک دھندلا سا خیال موجود تھا، تاہم سب سے پہلے زونوفن نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی، اور اشرافین نے اس سے اخلاقی فائدہ اٹھایا، یعنی انھوں نے تمام افراد انسانی میں اشتراک پیدا کرنے کے لیے، تمام افراد کو ایک عام عالم کے مختلف اجزاء قرار دیکر، تمام اختلافات کو مٹانا چاہا،

یہودیت اور عیسائیت میں بھی یہی سائل مختلف صورتوں میں موجود ہیں، لیکن ہندو فلاسفہ نے غالباً سب سے زیادہ اس مسئلہ کو واضح کیا ہے، ہندو فلاسفہ کے جو مختلف فرقے ہیں ان میں بیدانتیوں کے فرقے کا خاص یہی عقیدہ ہے، اور انھوں نے اس عقیدہ کی بنا پر دنیا کی تمام چیزوں کو خواب و خیال قرار دیکر صرف

اسے انسانی فکر پیدا کرنے کا ایک اظہار سمجھا۔

خدا کے وجود کو حقیقی وجود قرار دیا ہے، چنانچہ ابو الفضل آمین اکبری میں لکھتا ہے،

جزا بزدیچون ہست ندانند، و عالم را نمود بے بود انگارند، چنانچہ آدمی زاد در غنودگی خیالی پیکر را تماشا کی شود، و ہزاران غم و شادی اندوزد، این بیداری را بے انسان شمارند، یک چشمہ زور بہ گوناگون اعتبار دگرگون نامہا برگرفت،

مباحب و بستان المذاہب نے اس عقیدہ کی تشریح اور بھی زیادہ واضح الفاظ میں کی ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

د اعتقاد این طائفہ آنست کہ جهان و جہانیاں نمودے اند بے بود و حقیقت این واجب الوجود

است، و او را پریم آتما خوانند، گویند این نمایش وجدائی صورت و ترکیب، ہیئت چون سرب و پیکر جو بہت

اس عقیدے پر جو سرسری اعتراضات ہوتے ہیں اس کا جواب انھوں نے ان الفاظ میں دیا ہے،

اگر کسی پرسد کہ مارا در گوہر خود ہیچ شک نیست از جہت آنکہ یکے دانستند و یکے نادان دیکے در سائش

و دیگرے رنجور، این چگونہ خیال و نمایش باشد، جواب گویند مگر در خواب نرختہ و خود را با و شاہ و زماں و

و پرستار و فرمان پذیر و گرفتار و آزاد، بندہ و خداوند، بیمار و تندرست، و آزرہ و خوش دل و اندکین ندیدہ،

بسا ہنگام در خواب خوشی و فرح یافتہ، و بسیار ترس و ہراس بر تو بہر تر و غالب شدہ و در بخت شک نیست کہ

کہ آنچہ خیال و نمایش است، آنکہ در خواب است اینچہ را حقیقت می پندارند، در اسے و وہا کہ از را بجائے

دانست از نامہ نگار پرسید کہ در خواب دیدہ میشود کہ زخمی منکر بر بدن رسیدہ چون از خواب برے آیم شے

از ان نمی بینم میدانم کہ خیال بودہ، و اگر در خواب باز نے مباشرت واقع شود در بیداری زیر جامہ لوث

نمی بینیم، و دشمن ثانی چرا اثر می باشد، بعقیدہ این طبقہ بدین گونه پاسخ دادہ شد کہ اینکہ تو از بیداری

سے بیداری بزم گمانیاں آنہم خوابست و در خواب انگاشتہ کہ بیدار شدم، چہ بسا ہنگام در خواب دیدہ

میشود کہ بیدار شدم و آنچہ دیدم در خواب بودہ، اینکو نہ این بیداری ترو بیدار دلاں گیانی خوابے است،

نہ

نہ آمین اکبری جلد سوم صفحہ ۸۲، سلسلہ یہ پوری تفصیل و بستان المذاہب عقائد و دیدات میان میں مذکور ہے،

یونان اور ہندوستان کے خیالات کے معلوم ہو جانے کے بعد اب سوال یہ ہو کہ یہ عقیدہ مسلمانوں میں کیوں پیدا ہوا؟ مورخین یورپ کا سطحی اور قیاسی جواب تو یہ ہے کہ

یونان اور ہندوستان اس خیال کے ماخذ ہیں کیونکہ ہندو اور یونانی دونوں ہمہ اوست کے قائل تھے،

یونانی فلسفہ و حکمت تو اسلامی فلسفہ و حکمت کے بدیہی ماخذ ہیں لیکن مسلمانوں نے اس عقیدہ کو جس طرح ہندوؤں سے لیا اس کی صورت وہ یہ بیان کرتے ہیں،

کجب اسلام عرب سے نکل کر آریئل کے ایرانیوں میں پہنچا، تو گو اس نے بظاہر ادن کو مغلوب کر لیا، مگر ادن کے آباؤ اجداد اپنی خیالات پر غالب نہ آسکا، اور ادنیوں نے تعویف کے پردے میں توحید کو وحدت الوجود کے قالب میں بدل لیا، جو ان کے قدیم عقائد تعدد الہ کے مطابق تھا،

لیکن ان دونوں باتوں کا تاریخی ثبوت مناسطہ ہے، کیونکہ یونانی علوم و فنون کی توسیع و اشاعت کا جو زمانہ تھا یعنی پہلی دو تین صدیاں اس وقت یہ خیال نہیں پیدا ہوا تھا، اس مسئلہ کی ابتداء یا ظہور شیخ محی الدین اکبر کے زمانے سے ہوا جو شیخ سعدی و عراقی کا زمانہ ہے،

ہندوؤں اور مسلمانوں کا اختلاط بھی اس زمانے سے بہت پہلے ہو چکا تھا، تاہم ہم کو اس زمانے سے پہلے اسلامی تہذیب میں اس عقیدہ کی جھلک نظر نہیں آتی، لیکن ہم کو اس قیاسی استدلال پر قیاسی اعتراضات کی ضرورت نہیں، بلکہ خود اسلامی مورخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس عقیدے کا ماخذ یونانی اور ہندو نہیں، بلکہ خود اسلام میں یہ عقیدہ جس طرح بتدریج پیدا ہوا اس کے متعلق علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں ایک مفصل مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

سے حاشیہ پر مقدمہ دیوان غالب جدید از مفتی محمد انوار الحق ایم۔ اسے ڈاکٹر کٹر سرشتہ تعلیم بھوپال،

تہذیب و تمدن پر مقدمہ ۱۴۲۳ھ بحوالہ حاشیہ مذکور،

اس مجاہد و خلوت، اور ذکر سے اکثر حس کا پردہ چاک ہو جاتا ہے، اور امر اللہ کے ادن و الم پر اطلاع ہو جاتی ہے، جن کا ادراک صاحب حس نہیں کر سکتا، اس کشف کا سبب یہ ہے کہ روح جب حس ظاہر کو چھوڑ کر باطن کی طرف رجوع کرتی ہے، تو حسی احوال ضعیف اور روحانی احوال قوی ہو جاتے ہیں، اور ذکر اس میں معین ہوتا ہے، کیونکہ وہ روح کی نشوونما کے لئے بمنزلہ غذا کے ہے، اور یہی ترقی کے بعد رفتہ رفتہ یہ عالم شہود میں جاتا ہے، اور حس کا پردہ چاک ہو جاتا ہے،

صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجاہد سے کی یہی حالت تھی، اور ان کرامات سے ادن کو کافی حصہ ملا تھا، لیکن وہ لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے تھے، امام قشیر ہی نے اپنے رسالے میں جن صوفیوں کا ذکر کیا ہے وہ صحابہ ہی کے مقلد تھے، اور ادن کے بعد جو صوفی پیدا ہوئے ادنیوں نے بھی انہی کی تقلید کی،

پھر متاخرین کی ایک جماعت نے کشف حجاب کی طرف توجہ کی، اور اس کے متعلق ادن کی ریاضت کے مختلف طریقے قائم ہو گئے، جب ادن کو یہ بات حاصل ہو گئی تو ادنیوں نے یہ خیال کیا کہ جو وصف ادنی کے معلومات تک محدود ہے، اور ادنیوں نے تمام موجودات کا عرش سے فرش تک احاطہ کر لیا ہے،

متاخرین صوفیہ نے جب اس کشف کی طرف توجہ مبذول کی تو ادنیوں نے موجودات علویہ و سفلیہ فرشتہ، روح، اور عرش و کرسی کی حقیقت پر بحث شروع کر دی، اسی طرح انہی لوگوں میں بعض لوگ وحدت مطلقہ کی طرف گئے، اور اپنے عقل و تفاربع کے لحاظ سے یہ رائے پہلی رائے سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہے،

انہی متاخرین صوفیہ میں جو لوگ محقق ہیں وہ کہتے ہیں کہ کشف کے وقت بسا اوقات مرید کو اس وحدت کا وہم ہو جاتا ہے، اور اس کو وہ لوگ مقام جمع کہتے ہیں، پھر وہ اس درجہ سے ترقی کر کے موجودات میں تیز کرنے لگتا ہے، اور اس کو وہ مقام فرق سے تعبیر کرتے ہیں، انہیں متاخرین صوفیہ میں بعض لوگوں نے کشف اور ادراک حس کے متعلق گفتگو کی تو اس میں غلو کر دیا، اور بہت سے لوگ حلول اور وحدت کی طرف

چلے گئے، اور اپنی کتابوں کو اس سے بھر دیا، جیسا کہ ہر وہی نے کتاب المقامات وغیرہ میں کیا، ابن عربی، ابن سبعین، اور ابن دونون کے شاگرد ابن عقیق، ابن فارض اور نجم اسرائیلی نے اپنے تصانیف میں اپنی لوگوں کی تقلید کی، ان لوگوں کے اسلاف، متاخرین اسمعیلی روافض سے جو اپنے اسلاف کے عقیدے کے خلاف حلول اور الوہیت الہیہ کے قائل تھے، میل جول رکھتے تھے، اسلئے ہر ایک نے دوسرے کے مذہب کو قبول کر لیا، اور ان کا کلام گمراہ ہو گیا، اور ان کے عقائد باہم مشابہ ہو گئے، اور صوفیہ کے سربراہین قطب کا لفظ پیدا ہو گیا جو بعینہ روافض کا عقیدہ ہے، پھر ان کے نزدیک قطب کے بعد ابدال کا درجہ ہے جیسا کہ نقیاری کے متعلق شیعوں کا عقیدہ ہے، ان لوگوں نے خرقہ تصوف کی جو اسناد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف کی ہے، وہ بھی اسی قبیل سے ہے،

ان صوفیہ نے فاطمی کے ذکر سے اپنی کتابوں کو بریز کر دیا ہے، حالانکہ معتدین صوفیہ نے نفیاً و اثباتاً اس سے بحث نہیں کی ہے، یہ خیال شیعوں اور رافضیوں کی کتابوں سے ماخوذ ہے،

متاخرین صوفیہ میں جیسا کہ علامہ موصوف نے تصریح کی ہے، اسلامی دنیا میں ابن عربی اور ابن سبعین نے مسئلہ وحدت الوجود کا مورچہ چھوٹا کیا ہے، اور یہ دونوں اسمعیلیہ اور باطنیہ فرقہ کے خیالات سے متاثر تھے، لیکن علامہ ابن تیمیہ صریحاً اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ ان دونوں کو صاف صاف باطنیہ کہتے ہیں، چنانچہ ابوعلی المظاہر میں ایک موقع پر لکھتے ہیں،

وما یذکرہ طوائف من الباطنیہ باطنیہ اور باطنیوں کے فرقوں میں باطنیہ سبعہ جیسے اصحاب سائل السبعہ کا صاحب رسائل اخوان الصفا اور باطنیہ صوفیہ جیسے ابن سبعین اور ابن الصفا کا بن سبعین وابن عربی وغیرہ

ان تصریحات کے ساتھ اگر اجمالی طور پر باطنیہ فرقہ کی تاریخ بھی پیش نظر رکھی جائے تو اس خیال کی تائید کا ایک عمدہ قرینہ ہو سکتی ہے، علامہ ابن خلدون علم تصوف، صفحہ ۵۱۶، نسخہ قلمی،

اسلام میں ابتدا ہی سے غلامانہ روافض میں متعدد فرقے مثلاً سبائیہ، بیانیہ، جہانیہ، خطابیہ اور غیرہ پیدا ہو گئے تھے جو حلول و اتحاد کے قائل تھے، سبائیہ کا خیال تھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قالب میں خدا کی روح حلول کر گئی ہے، اسلئے وہ خدا ہو گئے ہیں، خطابیہ کا اعتقاد تھا کہ حضرت جعفر صادق کے قالب میں خدا کی روح حلول کر گئی ہے، علیٰ ہذا القیاس یہ تمام فرقے ائمہ کے قالب میں حلول روح الہی کے مدعی تھے، اسلام میں ایک اور فرقہ خرمیہ کے نام سے پیدا ہو گیا تھا جو اگرچہ بظاہر مسلمان تھا، اپنے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتا تھا، اور اپنی آبادیوں میں مسجدیں بھی تعمیر کر لی تھیں، لیکن درحقیقت وہ تمام فرائض اسلام کا منکر تھا، اور تمام محرمات شرعیہ کو مباح سمجھتا تھا، چونکہ یہ تمام حلولیہ فرقے بھی فرائض اسلام کے منکر تھے اور محرمات شرعیہ کو مباح سمجھتے تھے، اسلئے خرمیہ بھی انہیں میں مل گئے،

باطنیہ مذہب کی دعوت کا آغاز ہوا تو اس مذہب کے مؤسسين میں یحییٰ بن یحییٰ بن دیمان نے مغرب کا رخ کیا، جہاں غلامانہ شیعہ اور حلولیہ نے اس مذہب کا خیر مقدم کیا، اور رفتہ رفتہ اس مذہب کے متعدد داعی پیدا ہو گئے، مثلاً حمدان قرطبی، بھائی، مومن نے ایران میں اس مذہب کی اشاعت کی، ابو حامد نے ارض اہل کو اپنی کوششوں کا جولا نگاہ بنایا، عبید اللہ بن حسن نے قیروان کے اطراف میں اس مذہب کو پھیلا دیا، اور کثرت عبادہ اور بہت سے برابر اس مذہب میں داخل ہو گئے، اور ان کے ذریعہ سے وہ بلاد مغرب پر غالب آگیا، مصر میں اخشیدی خاندان حکومت کر رہا تھا، اس کے بعض ممبر بھی عبید اللہ کی جماعت میں شامل ہو گئے اور ان لوگوں نے ۳۶۲ھ میں داخل مصر ہو کر خاص اپنے اہل ع کے لئے ایک شہر آباد کیا، جس کا نام قاہرہ رکھا، رفتہ رفتہ ان کی دعوت تمام دنیا کے اسلام میں پھیل گئی اور متعدد سپہ سالار، ولایہ، اور سلاطین ان کی دعوت میں شامل ہو گئے، ہندوستان ایک دور افتادہ ملک تھا، لیکن ملتان کے لوگ بھی باطنی مذہب میں داخل تھے، چنانچہ سلطان محمود نے ان میں ہزاروں اشخاص کو تہ تیغ کر دیا، جو تہیٰ صدی تک اگرچہ یہ مذہب تمام دنیا کے اسلام میں پھیل چکا تھا، اس کی وجہ سے متعدد ہنگامے

برپا ہو چکے تھے، اور لاکھوں آدمیوں کی لاشیں اوس کی بے بیٹ چڑھ چکی تھیں، لیکن اوس کی تکمیل کا ایک درجہ اور باقی رہ گیا تھا، جس کو حسن بن صہلح نے پانچویں صدی میں پورا کیا، اور اس مذہب کی دعوت کا جو قدیم طریقہ تھا اوس کو بدل کر ایک جدید طریقہ دعوت قائم کیا، یہی وجہ ہے کہ اوس کے اتباع تاریخ میں ”اصحاب الدعوة الجدیدہ“ کے لقب سے پکارے جاتے ہیں،

تاریخی حیثیت سے اسی صدی کے بعد اسلام میں وحدت الوجود کا غلغلہ بلند ہوا، اور شعرا نے اسکو اسلامی لٹریچر کا ایک نشہ آور جزو بنا دیا، اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں نے باطنیوں سے اس عقیدہ کو سیکھا، اس تاریخی قرینے کے ساتھ اگر امور ذیل کا لحاظ رکھا جائے تو یہ قرینہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے،

(۱) یونانی فلسفہ اگرچہ دنیا سے اسلام میں پھیل گیا تھا، لیکن وہ ایک چھوٹی سی علمی جماعت تک محدود تھا اسلئے تمام دنیا سے اسلام میں اوس کا اثر نہیں قائم ہو سکتا تھا،

(۲) ہندوؤں میں وحدت الوجود کا قابل صرف ایک فرقہ تھا جس کی تعداد محدود تھی، اس کے ساتھ ہندو مغلوب و محکوم تھے، اور ایک مغلوب و محدود فرقے کا اثر تمام دنیا سے اسلام میں نہیں پھیل سکتا تھا، بلکہ ان غالب تو یہ ہے کہ خود ہندوؤں نے لٹران میں باطنیوں ہی سے اس عقیدے کو اخذ کیا،

(۳) باطنیہ ابتدا ہی سے ایک پولیٹیکل طاقت نہ کہ تمام دنیا سے اسلام میں پھیل گئے تھے، اور خیالات کی عام اشاعت صرف سیاسی اور فوجی طاقت سے ہو سکتی ہے،

(۴) باطنیہ مذہب بالکل دہری تھے، قدم عالم کے قائل تھے، نبوت اور شریعت کے منکر تھے، اور تمام عوام شریعہ کو مباح سمجھتے تھے، اور یہ تمام مقاصد صرف ایک مسئلہ وحدت الوجود سے حاصل ہو سکتے تھے، اسلئے اونھوں نے اسی کو اپنے مذہب کا محور قرار دیا،

اسلام میں اس عقیدہ کی اشاعت کے اسباب، اسلام میں یہ عقیدہ پیدا ہوا تو تصوف کا اصول موضوعہ بن گیا اور اسلئے اس نفل شریعتی تذکرہ باطنیہ،

اوس کی اشاعت کے مختلف اسباب پیدا ہو گئے، چنانچہ مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں، اکثر انہاسے اینوقت بعضے بتقلید و بعضے بجز علم و بعضے دیگر بعلوم مہر ج بدوق و لدونی اہلک و بعضے بالحد و زندقہ دست بدامن این تو حید وجودی زردہ اند و ہمدراز حق میدانند بلکہ حق میدانند و گردنہ خدا خود را از ربقہ تکلیف شرعی با حیلہ میکشایند و اہانت در احکام شرعیہ مینمایند و باین معاملہ خوشوقت و خوشنما و ایمان و امر شرعیہ را اگر اعتراض دارند لطفی میدانند، مقصود اصلی در اسے شریعت خیال میکنند حاشا و کلام حاشا و کلام خود با نند سچانہ من ہذا الاعتقاد السور،

اسی مکتوبات میں ایک دوسرے موقع پر لکھتے ہیں،

دوین زمان بسیارے ازین طائفہ کہ بڑی صوفیان خود را و ایمانند تو حید وجودی را شائع مائند و بازار کا سند خود را باین تخیلات رائج و ہشتہ اند،

ان ملاحظہ، زندقہ، عوام، مقلدین، اور کم پایہ صوفیوں کے علاوہ خواص کا ایک گروہ بھی اس ام میں گرفتار تھا، اور اوس کی نسبت اگر بدگمانی سے کام لیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح خواص کے عقائد و خیالات کا اثر عوام پر پڑتا ہے، اسی طرح کبھی کبھی خواص بھی عوام کے عقائد و خیالات سے متاثر ہو جاتے ہیں، لیکن مجدد الف ثانی اوس کی نسبت حسن ظن سے کام لیتے ہیں، اور فرماتے ہیں،

بعضے را کثرت مراقبات تو حید بر این احکام می آرد، و بعضے دیگر را علم تو حید و ذکر آں نحوے

از ذوق بآن احکام می بخشند، و بعضے دیگر را انتشار این احکام غلبہ محبت است کہ بواسطہ استیلا

حب محبوب غیر محبوب از نظر محب منجز و جز محبوب سچ نمی بینند آن کہ نفس لام غیر محبوب پیچ نیست،

انہی خواص کے گروہ میں بعض لوگوں نے ذوق، مراقبہ اور محبت کے علاوہ اس مسئلہ پر فلسفیانہ

حیثیت سے بھی بحث کی ہے، اور اہل ظاہر و متکلمین، حکماء و سفسطائیہ اور دہریہ نے وجود باری کے

۱۰ مکتوبات مجدد الف ثانی صفحہ ۵۹ مکتوب ۳۴، ۱۱ صفحہ ۴۲ مکتوب ۳۱،

صرف ایک روشن ترین منظر یعنی جسم کو دکھانا اسلئے اس کو بھی غلطی سے جسمانی قرار دے لیا، منکملین نے منکر اور واجب دونوں کو پیش نظر رکھا، لیکن وجہ انتزاع سے غافل ہو گئے، اور دونوں کو مستقل وجہ قرار دے لیا، لیکن ان غلطیوں کا سبب صرف اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب وجود کو ایک ذات میں محدود تسلیم کر لیا جائے در نہ اگر متفاوت الدرجہ مستقل موجودات تسلیم کر لیے جائیں تو حماقت کے سوا ان غلطیوں کا کوئی سبب نہیں قرار دیا جاسکتا،

(۴) حکماء کے نزدیک چونکہ خدا کا تعطل محال تھا، اسلئے وہ قدم عالم کے قائل ہو گئے، لیکن صوفیہ کے نزدیک چونکہ ممکنات کی ایجاد بھی خدا کے وجود کا ظہور اور اس کی تجلی ہے، اسلئے ازل میں کوئی ایسی آن نہیں نکل سکتی جس میں خدا کی کوئی شان یا کوئی تجلی نمایان نہ ہو، خدا خود کہتا ہے ”کل یوم ہونی شان“ اگرچہ یہ تجلی صرف علمی تجلی ہے، لیکن یہ بھی ایک عالم ہے، اور اسلئے خدا کسی حالت میں تعطل نہیں رہ سکتا،

(۵) اس عقیدہ کے رد سے روایت باری کا مسئلہ بھی آسانی کے ساتھ حل ہو جاتا ہے، کیونکہ جس شخص نے سراب کو دکھایا ہے، اس کی نگاہ لازمی طور پر ہوا پر بھی پڑی ہے، تاہم جب تک ہوا سراب کی صورت میں نہایا نہ ہو اور ذات باصرہ کو علم کا درجہ نہ حاصل ہو جائے اس کی رویت نہیں ہو سکتی، اور یہ درجہ اس دنیا میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ خواہش کی تو اذن کو جواب ملا ”ن ترانی“

(۶) وجود باری کی تجلیات غیر متناہی ہیں، جن میں بعض خاص اور بعض عام ہیں، مولج میں ”ذبح اور بہشت کی صورت میں اس کی جو تجلیات نمایان ہوئی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھیں اور آخرت میں اس کی عام تجلی ظاہر ہوگی،

اہل ظاہر کی مخالفت کے اسباب، شریعت علم و عمل دونوں کے مجموعے کا نام ہے، لیکن مسئلہ وحدت الوجود کی وجہ سے اہل سلفی میر محمد ششم، وحدت الوجود پر بہت سے صوفیانہ اور فلسفیانہ رسالے لکھے گئے ہیں، لیکن ان میں اکثر غیر مفہوم ہیں،

متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہیں، اذن سب پر اس عقیدہ کو ترجیح دی ہے، اور اس کے ذریعہ سے تمام اشکالات وجود کو حل کیا ہے، چنانچہ ہم اس موقع پر اذن کے ترجیحی دلائل کا خلاصہ درج کرتے ہیں،

(۱) دنیا کی ہر چیز بے شبہ موجود معلوم ہے، لیکن اس کا وجود انتزاعی ہے، جس طرح چار سے زوجیت کا انتزاع کیا جاسکتا ہے، اسی طرح وجود باری سے زید و بکر کا وجود منتزع ہے، لیکن کسی چیز کے معلوم و محسوس ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ موجود بھی ہو، ایک پیاسے کو سراب پانی کی شکل میں نظر آتا ہے، حالانکہ وہ پانی نہیں ہوتا، بعینہ اسی طرح اہل تصوف کے نزدیک دنیا ایک سراب ہے،

(۲) حکماء و متکلمین کے نزدیک موجودات کے تین درجے ہیں، ادنیٰ، متوسط، اعلیٰ، ادنیٰ درجہ کا موجود وہ ہے جس کا وجود غیر کی وجہ سے ہو، جیسے ممکنات کا وجود، متوسط درجہ کا وجود وہ ہے جس کا وجود خود اپنی وجہ سے ہو جیسے اشاعرہ کے نزدیک خدا کا وجود، اعلیٰ درجہ کا موجود وہ ہے جس کا وجود خود عین ذات ہو جیسے حکماء اور محققین متکلمین کے نزدیک خدا کا وجود، لیکن اگر وجود کو صرف خدا کی ذات میں محدود کر دیا جائے، اور اس کو تمام

عالم کے وجود کا منشاء انتزاع قرار دیا جائے تو اس کا وجود اور بھی اعلیٰ و اشرف ہو جاتا ہے، مثلاً زید کا وجود جو جسم نامی، حساس متحرک بالارادہ، ناطق اور صاحب کائنات انتزاع ہے، ان تمام چیزوں سے اشرف و اعلیٰ ہے (۳) حکماء و عقلاء نے موجودات کے متعلق جو غلطیاں کی ہیں اذن کو طفلانہ ہوس پرستی نہیں قرار

دیا جاسکتا، بلکہ اس کی کوئی معقول وجہ قائم کرنی چاہیے، اور یہ وجہ اسی وقت قائم ہو سکتی ہے، جب وجود کو ذات خداوندی میں محدود کر کے اس کو تمام موجودات کا منشاء انتزاع قرار دیا جائے، مثلاً سونسطائیہ اس حد تک صحیح کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی چیز حقیقی وجود نہیں رکھتی، لیکن اسی کے ساتھ انھوں نے تمام موجودات کے حقیقی منشاء انتزاع کو بھی نظر انداز کر دیا، اسلئے کلیتہً تمام موجودات کے منکر ہو کر عالم کو غلطی سے صرف خیالی چیز کہنے لگے، اس کے برعکس دہریوں نے صرف موجودات خارجی پر نظر ڈالی، اور اذن کے وجود کی نوعیت سے قطع نظر کر لی، اور موجودات کو صرف ممکنات میں محدود کر دیا، مشہہ نے وجود باری کے

اوس کا عملی حصہ بالکل بیکار ہو جاتا ہے، اور انسان کی سعادت صرف حقیقت شناسی اور کمال عرفان میں محدود ہو جاتی ہے، چنانچہ صاحب دبستان المذاہب نے جہان اس عقیدے کا ذکر کیا ہے وہ ان لکھا ہے،
طاعت و عبادت بضاغت اودام است، و درکات جہنم و طبقات بہشت در جعبت دستار سخ و
جزائے کردار ہمہ خیالات است،
و ایشان را عقیدہ آنست کہ ریاضت برائے آنست تا بر سالک معلوم گردد کہ جہان نمود بے بود
است، و موجود حقیقی خداست و جزا و جزا ہرچ بہت خیال است کہ از دست کہ فی الحقیقت وجود ندارد،
نیاز بر ریاضت ہم نباشد و کمال دران دانند کہ از ریاضت ہم گذر دہ آن طلب است و تا دطلب
است خود را شناختہ چہ خود میں ذات الکی است،

چنانچہ اسلام میں جن لوگوں نے اس عقیدہ کی پیروی کی وہ فرائض و عبادات کی پابندی سے بالکل آزاد ہو گئے، اور جیسا کہ ہم مجدد الف ثانی کی عبارت او پر نقل کر آئے ہیں، اُن کو شریعت کی پابندیوں سے نجات حاصل کرنے کا یہ ایک عمدہ ذریعہ ہاتھ آگیا، اہل ظاہر کی مخالفت یہیں سے شروع ہوتی ہے، اور وہ عملی حیثیت سے اس عقیدہ کو گمراہی و ضلالت کا سب سے بڑا سرشتیہ خیال کرتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ الرد علی المنطق میں لکھتے ہیں،

نفس میں دو تو ہیں ہیں، ایک قوت علمیہ نظریہ، اور دوسری قوت ارادیہ عملیہ، اس کی دونوں قوتوں کی تکمیل خدا کی معرفت اور خدا کی عبادت سے ہونی چاہیے، لیکن یہ لوگ عبادات، کا مقصد نفس کے اخلاق کی اصلاح قرار دیتے ہیں، تاکہ وہ اس علم کے لیے تیار ہو جائے جس کو یہ لوگ نفس کا کمال خیال کرتے ہیں، یا اوس کا مقصد اصلاح منزل اور اصلاح بدن قرار دیتے ہیں جو حکمت عملی میں داخل ہے، اس بنا پر وہ عبادات کو علم کا صرف وسیلہ خیال کرتے ہیں، اس لیے جس شخص نے اس مقصد کو حاصل کر لیا اوس سے عبادات کو ساقط کر دیتے ہیں، جیسا کہ ملاحظہ

عملیہ، اور اُن لوگوں کا خیال ہے جو اس اتحاد میں شریک ہیں، اور صوفیہ کی طرف منسوب ہیں، اس اتحاد اور بیدینی کے ساتھ اس شرک کی بعض قسمیں بھی پیدا ہوتی ہیں، اور قبر پرستی وغیرہ کے لیے ایک حیلہ بات آجاتا ہے، چنانچہ علامہ موصوفت اسی کتاب میں لکھتے ہیں،

قراطلہ، اور ملاحدہ باطنیہ، اور وہ جہاں جو صوفیہ اور متکلمین میں داخل ہو گئے ہیں مثلاً اہل وحدت وغیرہ، وہ شفاعت کو اس بات پر مبنی سمجھتے ہیں کہ خدا اپنی مشیت اور قدرت سے کچھ نہیں کرتا، وہ

جزئیات کا عالم نہیں، اور عالم میں کسی قسم کا تفریق نہیں پیدا کر سکتا، بلکہ عالم اوس کا ایک نفس ہے جو بغیر اوس کی مشیت، اوس کی قدرت اور اوس کے علم کے پہنچتا ہے، اس بنا پر جب ایک طالب شفاعت جو اہر عالیہ مثلاً عقول، نفوس، ستارے، چاند، سورج یا بعض صفا کے نفوس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اوس کے ساتھ تعلق پیدا کرتا ہے، تو جب اُن پر فیضان الہی ہوتا ہے، تو اوس شفع کے ذریعہ سے اس طالب شفاعت کو بھی یہ فیضان پہنچ جاتا ہے، مثلاً سورج جب آئینہ پر چمکتا ہے تو آئینہ کی شعا میں منعکس ہو کر دوسرے مقام پر پڑتی ہیں، اور وہ اوس سے چمک اٹھتا ہے،

یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ قبروں کے پاس یا قبروں کے علاوہ دوسرے مقامات پر دعائے موتی کو جابو سمجھتے ہیں، اُن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور اُن سے زیادہ کرتے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ شفاعت کے بارے میں جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، اوس کی وجہ سے جو کفر لازم آتا ہے وہ مشرکین عرب کے کفر سے بھی بڑا ہے،

اس عقیدہ کی بنا پر وحدت صرف ایک ذات میں محدود ہو جاتی ہے، اور انسان صرف ایک لفظ اللہ کا ورد کرنے لگتا ہے، بعض صوفیہ یہ لفظ بھی نہیں بولتے بلکہ اس کو اسم ضمیر یعنی ”ہو“ سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ صاحب فصوص نے ایک مستقل کتاب ہی لکھی ہے جس کا نام کتاب ہو ہے، لیکن علامہ موصوفت کے نزدیک ذکر و فکر کا یہ طریقہ بھی خلاف سنت ہے، چنانچہ اپنے مجموعہ فتاویٰ میں لکھتے ہیں،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً ثابت ہے کہ افضل ترین ذکر لا الہ الا اللہ اور افضل ترین دعا الحمد للہ ہے اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ یہ عوام کا ذکر ہے خواہ اس کا ذکر اسم مفرد اور اخص ہو یا لا ذکر اسم مضمر ہے تو یہ لوگ گمراہ ہیں اور غلطی میں پڑے ہوئے ہیں اور بعض لوگوں کی یہ دلیل کہ خدا خود کھتا ہے قل اللہ ثم ذرہم فی خودہم بلعون مکملہ خدا پھر اذن لوگوں کو چھوڑ دے کہ اپنے خوض میں کیسلے رہیں ان لوگوں کی یہ بھی غلطی ہے کیونکہ اسم خود استفہام کے جواب میں مذکور ہے اور وہ خدا کا یہ قول ہے قل من انزل الکتاب الذی جاہرہ بوسی نور اذہی للناس اس قول تک قل اللہ یعنی اللہ وہ ہے جس نے اس کتاب کو اذہا جس کو موسیٰ لائے پس اسم مبتدا ہے اور اس کی خبر ہے استفہام نے دلالت کر دی ہے لیکن اسم مفرد جاہر ہے مظهر ہو یا مضمون وہ کلام تام ہے نہ جملہ مفیدہ نہ اس کے ساتھ ایمان کا تعلق ہے نہ کفر کا نہ امر کا نہ نہی کا اس سے قلب کو نہ کوئی معرفت مفیدہ حاصل ہو سکتی نہ کوئی مفیدہ حالت بلکہ تصور مطلق حاصل ہوتا ہے جس پر قلب ثقی و اثبات کسی چیز کا حکم نہیں لگاتا اور جن لوگوں نے اس ذکر پر اہمیت کی اور ان میں بعض اتحاد و اتحاد میں مبتلا ہو گئے

بمعین حقیقۃ و اثباتیہ اگرچہ عام طور پر تمام صوفیہ توحید وجودی کے نشے میں سرشار ہیں لیکن حضرت مجدد الف ثانی توحید شہودی کے قائل ہیں اور اس کو عقل اور شریعت کے موافق اور توحید وجودی کو ان دونوں کے مخالف سمجھتے ہیں چنانچہ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں

ہے توحید وجودی کو نفی ماسوائے ایک ذات است تعالیٰ و تقدس اہل شرع و جنگ است بخلاف شہودی کہ دیکے دین ہیچ مخالفت نیست مثلاً وقت طلوع آفتاب ستارہ ہار نفی کردن و محذوم دانستن مخالفت واقع است اما ستارہ و آفتاب و دین ہیچ مخالفت بلکہ آن دین بواسطہ غلبہ نور آفتاب است دفع بصرائی اگر بصرائی بنور ہان آفتاب کھن شود و تو پید کن ستارہ از آفتاب جدا بیند و این دید در حق یقین است

حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک توحید شہودی کے بغیر فنا کا درجہ محال نہیں ہو سکتا چنانچہ اسی مکتوب میں لکھتے ہیں

فہم فی ان توحید شہودی بمعین حقیقۃ و اثباتیہ

توحید شہودی از ضروریات دین را است چنانچہ ابن توحید تحقق نشود و یقین ہے آن میری شود زیرا کہ رویت کیے با استیلا و تلزم عدم رویت ماسوائے اوست

لیکن علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک فنا کا یہ درجہ بھی نقص سے خالی نہیں چنانچہ اپنے فتاویٰ میں ایک موقع پر لکھتے ہیں فنا کی دوسری قسم ہے کہ شہود ماسوائے فنا ہو اور فنا کا یہ درجہ بہت سے سالکوں کے لئے حاصل ہو جاتا ہے کہ اولاً خدا کے ذکر خدا کی عبادت اور خدا کی محبت کی طرف شدت سے کھینچ جاتا ہے اور اس کے قلب میں یہ قوت نہیں ہوتی کہ غیر محبوب کو دیکھ سکے اور غیر مقصود پر نگاہ ڈال سکے اور اس کے دل میں خدا کے سوا کوئی چیز نہیں کھنکھتی یہی وہ مقام ہے جہاں ایک قوم کے قدم لگاتے ہیں اور ان لوگوں نے خیال کر لیا ہے کہ یہ اتحاد ہے اور عاشق و معشوق متحد ہو گئے ہیں یہاں تک کہ ان کے وجود میں کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے لیکن غلطی ہے خالق کے ساتھ کوئی چیز متحد نہیں ہو سکتی بلکہ کوئی چیز دوسری چیز سے اس وقت تک متحد نہیں ہو سکتی جب وہ دونوں بدل نہ جائیں اور ان کے اتحاد سے تیسری چیز پیدا ہو جائے جیسا کہ دو دھواں اور پانی اور پانی اور شربت ہو جائے البتہ مزاج ہو اور کرم و تہمت ہو سکتے ہیں اور ان کے ارادہ اور کراہت میں اتفاق ہو سکتا ہے اس لئے جس چیز کو ایک محبوب کھتا ہے دوسرا بھی اسکو محبوب رکھ سکتا ہے جس چیز کو میونوس کھتا ہے دوسرا بھی اسکو میونوس کھ سکتا ہے لیکن اس قسم کی فنا نقص خالی نہیں اور اکابر اولیاء مثلاً حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر بن الخطاب اور سابقین و امین مہاجرین و انصار بھی اس فائز نہیں پڑے چہ جائیکہ انبیاء و درجہ صحابہ کے بعد پیدا ہوا اسی طرح جن چیزوں سے عقل تیز تر ہو جاتی ہے وہ دوسرا صحابہ کے بعد پیدا ہوا صحابہ کرام احوال ایمانیہ میں اس سے کامل تر اس سے قوی تر اس سے محکم تر تھے کہ ان کی عقلیں گم ہو جائیں یا اون پر غشی و موشی یا نشے کی حالت طاری ہو جائے ان چیزوں کی ابتدا و درجہ بعین میں عبادت بصرہ سے ہوئی

ان تمام اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ توحید وجودی خود بعض محققین صوفیہ کے نزدیک عقل اور شریعت کے مخالف ہے توحید شہودی بے شبہہ لان کے نزدیک ایک بے داغ چیز ہے لیکن اہل ظاہر اس پر بھی راضی نہیں ہو سکتے

دوسرا نایاب دیوان

(۲)

از جناب مولانا حبیب الرحمن خان حسرت شروانی، صدر الصدور و دانشمند

طالب اعلیٰ دربار جاگیر کا ملک اشتر تھا اس کا کلام عام طور پر نایاب ہے، مجھ کو اس کے دیوان کے دو نسخے ملے، ایک ابتداؤ دلی سے، یہ نسخہ معمولی خط کا بہت غلط ہے، مگر اکثر جگہ غلطی سمجھ میں آجاتی ہے، کثرت کلام کے لحاظ سے قابل قدر ہے،

دوسرا نسخہ لکھنؤ سے دستیاب ہوا، اہتمام تحریر کے لحاظ سے نادر ہے، میں یہیں تک اس کی قدر کرتا تھا مرحوم علامہ شبلی نے طلب فرما کر عرصہ تک زیر مطالعہ رکھا، ان کی جوہر شناس نظر نے اس کا خاص جوہر پرکھا، قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری، واپس فرمایا تو لکھا کہ یہ نسخہ خود طالب اعلیٰ کی تحریر و نسخہ زین ہے، میں نے بھی اسے خیال سے دیکھا تو علامہ کی رائے کو صحیح پایا، دلائل حسب ذیل ہیں،

اس نسخہ کے کاتب نے اپنا نام میرزا جان اجیری لکھا ہے، سنہ کتابت نہیں لکھا، عموماً قصائد وغیرہ کے عنوان اصل کاتب نے نہیں لکھے، جا بجا خصوصاً غیر مانوس ردیفوں کے موقع پر متن میں ایک غزل دو غزل کے انداز سے بیاض چھوٹی ہوئی ہے، اصل کاتب کی تحریر بائیں اشارہ کی چند رباعیوں کے پختہ نستعلیق ہے، جو عنوان قصائد کے خالی ہیں ان کے عنوان، بعض رباعیوں کے عنوان، ان بیاضوں میں (جو اصل کاتب نے چھوڑ دیں) بعض غزلین ایک اور قلم کی لکھی ہوئی ہیں جو اصل کاتب کے قلم سے صاف طور پر ممتاز ہے، قصائد کے عنوان اس نہج سے لکھے گئے ہیں کہ یہ واضح ہوتا ہے کہ کاتب مدوح کا معاصر اور متوسل ہے، مثلاً طالب کے مربی میرزا غازی ترخان (امیر جاگیر) کی شان میں جو قصائد ہیں ان کے عنوانوں میں کسی جگہ سرخ روشنائی سے تحریر

”در مدح مرحوم میرزا غازی ترخان“ - ایک جگہ لکھا ہے، در مدح نواب مرحوم غازی ترخان، ”جہانگیر بادشاہ کی مدح کے ایک قصیدہ کا عنوان ہے، در مدح حضرت ظل الہی مدظلہ“ ایک اور قصیدہ کا عنوان ”بمدح مدظلہ“ اعتماد الدولہ وزیر جاگیر طالب کا رشتہ دار تھا، اس کی مدح کے قصیدہ کا عنوان ہے، ”در مدح نواب قبلہ گا ہی ام اعتماد الدولہ العلیہ مدظلہ“ دوسرے قصیدہ کا عنوان ہے ”بمدح مدظلہ“ نور جہان کے ایک مدحیہ قصیدہ کا عنوان ہے، ”در مدح مہدی علیا نور محلیم غفرلہ شد علی ہذا الفیاس“۔

ان عنوانوں سے معاشرت اور تعلق دونوں ثابت ہوئے ہونگے، نور جہان کی مدح کے قصیدے کا عنوان اس وقت لکھا گیا جب تک وہ نور محلیم نور جہان نہ ہوئی تھی، یہ تمام عبارتیں سرخ قلم سے ایک ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، ایک اور خصوصیت ہے، بعض ردیفوں کی تکمیل اسی قلم سے ان بیاضوں میں ہے جو کاتب نے چھوڑ دی تھیں معلوم ہوا کہ اصل کاتب کو یہ غزل نہ ملی تھی یا موزون نہ ہوئی تھی، اور اس کے انتظار میں یہ بیاض چھوڑی گئی تھی، اسی قلم سے جا بجا اصلاحیں ہیں مہلج کی بحث تفصیل سے آگے آتی ہے،

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خط و قلم کس کا ہے، جواب قطعی یہ ہے کہ خود طالب اعلیٰ کا کیونکہ اس وجہ سے کہ حاشیہ پر جا بجا تیز متن میں اسی قلم کا لکھا ہوا طالب کا کلام ہے جس پر لکھا ہے ”سرا قلم، معلوم ہوا کہ قائل کلام ورا قلم کلام ایک ہی ہے، اور یہ مافی ہوئی اصطلاح ہے، ان غزلوں کے مقطعوں میں فقط ”طالب، کی شان تحریر عموماً یہ ہے ”طلب“ دوسری دلیل یہ ہے کہ بہت سی اصلاحیں اسی قلم کی ایسی ہیں جو تصحیح کتابت نہیں بلکہ اصلاح کلام ہیں معلوم ہوا کہ خود طالب نے اپنے کلام میں اصلاحیں نظر ثانی کے وقت کی ہیں، ان دلائل کی بنیاد پر یہ کہنا جاہز ہے کہ یہ دیوان بطور بیاض کے خود طالب کے لئے لکھا گیا تھا، جو اس کے پاس رہا اور وقتاً فوقتاً اس کے قلم سے فیضیاب ہوتا رہا، ایسے نسخہ پر کتاب خانہ فخر کر سکتا ہے، میرے کتابخانہ کو یہ سرمایہ فخر علامہ شبلی مرحوم کی

جو ہر شے نظر کے فیض سے حاصل ہوا، رحمہ اللہ تعالیٰ،

طالب کا خط پنچہ شفیقہ اور قلم باریک،

اصلاحین، اصلاحین بجائے خود سرمایہ ندرت ہیں، بعض تو محض کتابت کی تصحیح ہیں کہیں کتاب سے لفظ چھوٹ گیا تھا، اضافہ کر دیا، کہیں لفظ غلط لکھا تھا کٹ کر صحیح کر دیا، کہیں مصرعے رد و بدل ہو گئے تھے وہاں خط کھینچ کر ایک شعر کے دونوں مصرعون کو مربوط کر دیا، علی ہذا القیاس، قابل دیدہ اصلاحین ہیں جو کلام میں کی گئی ہیں، ان اصلاحوں نے پایہ کلام بلند سے بلند تر کر دیا، اس سے طالب کی قوت طبع کا اندازہ ہوتا ہے، مثلاً دو چار نمونے ملاحظہ ہوں،

ایک قطعہ جس کا قافیہ تاجدار، خاکساری اسکا ایک شعر ہے،

تپ غیر تم سوخت یا ران چہ سازم بلائی است در آدمی جز و ناری

ایک دوبار پر مکرر دیکھئے کہ کہیں جوڑ بند ڈھیلے تو نہیں، اب اصلاح دیکھئے، مصرع اول

تپ غیر تم در عرق دارد آری، اندازہ کیجئے گزنی کلام کس درجہ پر پہنچ گئی، تپ کے واسطے عرق،

مصرع جوئے بلاغت میں غوطہ کھا کر نکھر گیا،

ایک اور شعر ہے

دست ہوس قوی شدہ در کشور وجود ترسم کہ عیش رختہ ناموس غم کند

اول مصرع میں اصلاح ہوئی تپ دست ہوس قوی شدہ بازوئے دل ضعیف، ایک بار

غیر اصلاحی مصرع کو مکرر پڑھ کر اصلاح شدہ سے مقابلہ کیجئے، کڑی کمان کا زور محسوس ہونے لگیگا،

تیسرا شعر ہے

چنان گداخته جوش خیال طالب را کہ موبوشہ چون طبع خوشیتن نازک

اصلاح میں طبع کا لفظ فکر سے بدل دیا گیا، نزاکت فکر داد طلب،

چوتھا شعر ہے

گردید آب دیدہ طالب چمن شناس زین پس حرام گشت شبنم فتویٰ گل

مصرع اول میں اصلاح ہوئی، بجائے "گردید" کے "شد باز" اب مصرع یہ ہے، حد باز آب دیدہ طالب چمن شناس، غور کیجئے مضمون میں کس قدر وسعت پیدا ہو گئی، گردید سے یہ مفہوم ہوتا تھا کہ آب دیدہ اول مرتبہ چمن شناس ہو رہا ہے اور آغاز گریہ وزاری ہے، باز شد سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ پہلے بھی چشمہ روان رہ چکا ہے، درمیان میں خزان قحیٰ تو رک گیا تھا بہار آئی تو پھر جاری ہوا، جب رکا ہوا تھا تو مجبوراً پھول شبنم سے وضو کرتے تھے، اب روانی آگئی تو دارالافتائے محبت سے فتویٰ جاری ہوا کہ آب آمد تمیم بر خاست، مار کثیر کے ہوتے ہوئے اس سے پیاس کیون بھائی جائے، لہذا روانی آجکے لئے باز شد درہ، اگر آپ "چمن شناس" باز شد "فتویٰ گل" شبنم ان الفاظ پر فردا فردا اور دوبارہ بحث مجموعی غور کرنیگی تو پورے مضمون کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجائیگی، اب طالب کی دو غزلیں پوری سن لیجئے اس کے بعد طالب رخصت ہوتا ہوں،

علامہ شبلی نے طرز طالب کی خصوصیت حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمائی ہے، "ندرت

تشبیہ و لطف استعارہ، میرا خیال ہے کہ سرخوشی و نزاکت" (جو دربار جہانگیر و نور جہان کا طرہ امتیاز

قحیٰ) کلام طالب کی شان امتیاز ہے، دیکھو عرقی و طالب دونوں کشمیر دیکھتے ہیں، اس کی روح پرو

ہوا اور رنگ بہار سے متاثر ہوتے ہیں، دلی خیال الفاظ شعر میں تراوش کرتا ہے، عرفی کہتا ہے

ہر سوختہ بنی کہ کشمیر در آید، گر مرغ کباب است کہ بالبال پر آید

طالب ز فرمہ سنج ہوتا ہے

فیض پیالہ بخش آب ہوئے کشمیر از خشت خم ہند گویا بنائے کشمیر

دو غزلین سنائی تھیں مضمون میں مضمون پیدا ہو گیا، ان غزلوں میں طالب کا اصلی رنگ نکلا

غزل

بہار آمد کہ گرد جسم و جان مست
شود دل مست چون ٹبل زبان مست
بہار آمد کہ از بوئے گل و سے
زمین بہوش گردد آسمان مست
چراستان می غلط بہر سوسے
بجد دل نیست گراب روان مست
ازان پیانہ کا مداو لین دور
ز کم ظرفی شدم از بوئے آن مست
نشہ تفسیر و کیفیتم، سیح
ہسان ستم ہسان ستم ہسان مست
زمانے نیست کز گلبانگ شو قم
نیفتد بلبے از آشیان مست
چرا طالب نباشم جا و دان مست
چو برستان نباشد ہیچ تکلیف
مقطع سے او پر کا شعر کس قدر نادر اور بیغ ہے، مہبل کے مست کرنے کے واسطے جو نواہر وہ

بھی گلبانگ ہی نظیری نے بھی اس مضمون کو لیا ہے مگر اپنے رنگ میں سے

بزر شاخ گل افنی گزیدہ مہبل را
نواگران بخورن گزند را چہ خبر
کرشمہ نازک و لب نازک سخن نازک
غزل دیگر
ز فرق تا بقدم ہیچ طبع من نازک
کیکہ دید بنا گوش او شبے در خواب
نیایش بنظر برگ یا سمن نازک
گمان مہر کہ لگے روید از چین نازک
ہزار سوزن آشکم فزود بر مژگان
کسے کہ برتن او دوخت پیرن نازک
بہد نازکی لالہ زار عسار فدا
کرشمہ کہ شود طبع برہمن نازک
فغان کہ از گل و آب منم نمی جوشد
کہ لوج فتنہ تراشید کو بہن نازک
مگر ز غمہ شیرین بہ تیشہ داد الماس
چنان گداختہ جوش خیال طائب را
کہ موبوشدہ چون فکر خوشن نازک

دیکھنا پانچویں شعر میں کتنی دور کی بات کہہ گیا۔ والسلام بالکرام

”ماہیت اشیا“

”نظریہ اضافیت“

”جرمنی کے پروفیسرین کا مشہور و معروف نظریہ اور اس کا مختصر حال“

از

جناب مولوی محمد نصیر احمد صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایس سی۔ ایف۔ گارڈ پروفیسر طبیعتیات معتمد

سولہ برس ہوئے کہ جرمنی کے پروفیسرین نے ایک نئے نظریہ کی بنیاد ڈالی جس کا موضوع اشیا کی ماہیت تھی۔ اس نظریہ کی نسبت لوگوں کا یہ خیال تھا اور شاید اب بھی ہے کہ وہ نیوٹن اور اقلیدس کے بنا کردہ نظام کو باطل قرار دیتا ہے، پروفیسر موصوف کا اس وقت یہ قول تھا کہ اس مسئلہ کا طرز بیان ہی کچھ ایسا نرالا اور عام طرز بیان سے اس قدر مختلف تھا کہ ماہرین فن میں سے شاید بارہ ہی نفوس اس کی تہ کو پہنچ سکے اور اس کی حقیقی قدر و منزلت کر سکے،

پہلے میں کے اس نئے نظریہ اضافیت میں مکان، زمان، تجاذب کی مناسبت سے بحث کی گئی ہے، مشہور انگریزی عالم سنس سر اسحق نیوٹن کے وقت سے اب تک علوم طبیعیات میں جو ترقیاں ہوئی ہیں ان میں یہ نظریہ عظیم ترین ترقی سے موسوم کیا گیا ہے، کیونکہ طبیعیات کی بنیاد جن چیزوں پر ہے اس کا موضوع ہیں، اخبارات و رسائل نے اس نظریہ کو انقلاب انگیز قرار دیا، لوگوں کی نظریں ہی اس کی طرف اٹھ گئیں اور نیرودہ دلچسپی کا سب سے بڑا سبب اس لئے ہوا کہ ان اخبارات کے بیان کے مطابق دنیا میں صرف بارہ اشخاص اس نئے نظریہ کو کما حقہ سمجھ سکے ہیں، اس نئے نظریہ کی جتنی شرحیں لکھی گئیں ان سے بارہ نفوس کے اس محدود دائرہ میں چند ان وسعت پیدا نہیں ہوئی،

یہاں یہ امر ظاہر کر دینا از بس ضروری ہے کہ جب کسی مسئلہ میں رفتاروں کی مقدار وہ ہو جس سے ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں روشناس ہوں، یا جس کو ہم اپنے علمی تجربات اور فکلی مشاہدات میں پاتے ہیں، تو نظریہ اضافیت کا اثر ان پر قریب قریب نفی کے ہوتا ہے، کیونکہ اس کی رو سے جو فرق پیدا ہو گا وہ اس قدر قلیل بلکہ اقل ہو گا کہ اس کا شمار بھی ممکن نہ ہو گا، لیکن جب ہم کو مادی اجسام کی ان رفتاروں سے سابقہ پڑتا ہے جو نور کی رفتار (۸۶۰۰۰ میل فی ثانیہ) کے لگ بھگ ہیں تو اس وقت نظریہ مذکور ایک خاص اہمیت اختیار کر لیتا ہے، ماہرین فن اپنے معمول میں جو تجربے کرتے رہتے ہیں اس قسم کی رفتاروں کا تعلق صرف انہیں سے ہے، اس مضمون کے مقاصد کا لحاظ کرتے ہوئے اتنا ہی لینا کر دینا کافی ہے کہ ایسے تجربوں سے نظریہ اضافیت کی پوری تصدیق ہوتی ہے،

مضمون کے آغاز میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ یہ نظریہ انقلاب انگیز ہے، اس کے بعد گریز کر کے ہم نے اس کی ریاضیات پر اظہار خیالات کیا، اور اس پر یہ تنقید کی کہ اس کے عملی نتائج قابل التفات نہیں پس اب مناسب ہے کہ اس کی اہل اہمیت ذہن نشین کیجائے،

نظریہ کی اہمیت | حسب ذیل تین طریقوں سے ہم اس کی اہمیت کا اندازہ کر سکتے ہیں،

اولاً، اگرچہ اس نظریہ کے اثرات جیسا کہ اوپر بیان ہوا عملی زندگی کے ان پہلوؤں میں جن کا طبعیت نے ابھی طرح مطالعہ کیا ہے، نہایت ہی قلیل اور ناقابل التفات ہیں، تاہم ایک زمانہ ایسا آسکتا ہے کہ اس قسم کے آلات ایجاد ہوں اور ایسے تجربے کئے جائیں کہ یہی قلیل "اضافی اثرات" کثیر معلوم ہونے لگیں، چنانچہ سائنس دانوں اور انجینروں نے برقی صنعت کی جو عظیم الشان عمارت قائم کی ہے آپ جانتے ہیں کہ اس کی بنیاد کیا تھی؟ محض یہ کہ جب کہر یا کور گزرتے ہیں تو اس میں لمبی چیزوں کے کھینچنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے، قدیم یونانیوں کو بھی اس واقعہ کا علم تھا جو یہ ظاہر کتنا ادنی معلوم ہوتا ہے،

ثانیاً، اس نظریہ کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ بہت سے مظاہر فطرت جو اب تک ناقابل توجیہ تھے اس کی روشنی میں صاف نظر آنے لگتے ہیں، مانا کہ یہ مظاہر عملی نقطہ نظر سے کوئی حیثیت نہیں رکھتے چنانچہ ان کے سمجھنے کے لئے بھی علم مناظرہ و برق کے مبادیات کا جاننا ضروری ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے مظاہر کا وجود ہے اور اس نظریہ سے ان کی توجیہ ہو جاتی ہے، علوم میں ترقی کا ہمیشہ ہی حال رہا ہے کہ اس کی ابتدا نہایت تھیر ہوتی ہے اور انتہا بہت عظیم الشان چھوٹے چھوٹے اسباب ہی بڑے بڑے نتائج کی علت ہو ا کرتے ہیں،

ثالثاً، اس کی اہمیت کا راز یہ ہے کہ اس کی روشنی میں وہ مظاہر فطرت جو اب تک غلطہ غلطہ تصور کئے جاتے تھے، سب کے سب ایک نظام واحد میں منسلک نظر آنے لگتے ہیں، بلقیانے ہمیشہ اسی طرح ترقی کی ہے، اور ہر کامیاب علمی نظریہ ہم کو فطرت کی وحدت سے قریب کر دیتا ہے، بیجا نہ ہو گا اگر علماء سائنس کو ان سراغ رسانوں سے تشبیہ دیجائے جو اشراک کے کسی گروہ کی کارروائیوں کی تحقیقات میں مصروف ہوں، اور جن کی کوشش یہ ہو کہ وہ کسی طرح "ابوالاشرار یعنی ان کے غمخوار کو گرفتار کر لیں، ان اشراک میں سے جو زبردست ہوتے ہیں ان کی کارروائیوں کو تو مقلشین کا یہ گروہ صرف اسی نظر سے دیکھتا ہے کہ ان سے ان کے سرغنون کا پتہ کیونکر چل سکتا ہے، یہ سرغنے ہر کس و ناکس کے قبضے میں تو آتے نہیں، وہ بڑے ہوشیار اور چالاک ہوتے ہیں، لیکن ایک ماہر نقش مرث انگوٹھے کے نشان ہی سے، یا نقش قدم کے ہونے ہی سے بہت کچھ اخذ کر لیتا ہے، اور جب کوئی ابوالاشرار گرفتار ہو جاتا ہے تو قانون اور ان کے علم برداروں کو بہت سی اُن عجیب اور غریب باتوں کا بھید معلوم ہو جاتا ہے جو اس سے پیشتر کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی تھیں،

یہی حال سائنسین کا سمجھنا چاہئے، اس نے دیکھا کہ طبعیت تمام مظاہر قدرت کی توجیہ و تشریح مکان، زمان، جمود، تجاذب، نور، اور برق کے مفہومات کی اضافت کرنے کی کوشش میں

لے یعنی انہی کی وہی قوت جو ان کو علی حالہ قائم رکھتی ہے جبکہ کوئی خارجی قوت اثر کر کے اس کی حالت کو بدل نہ دے،

مردود ہیں، اس لئے یہ بتایا کہ مکان، زمان، وجود، تجاذب وغیرہ سب کو ہم ایک حقیقت واحدہ کے مختلف رخوں سے تعبیر کر سکتے ہیں، اس واحد حقیقت کو وہ مکان، کہتا ہے، اس مکان میں بجائے بعد و اثر کے وہ پانچ یا چھ بُعد مانتا ہے اسی وجہ سے اس کا مفہوم ذہن میں قائم کرنا مشکل ہے، لیکن فائدہ یہ ہے کہ بجائے چار حقیقتوں کے اب صرف ایک حقیقت رہ جاتی ہے اور اگر ریاضی میں کافی دخل ہو تو پھر اسی بنا پر نظریہ کی پوری عمارت قائم ہو سکتی ہے، فرید برائن آئنسٹین نے مادہ، نور، اور برقی میں نئے نئے تعلقات ثابت کئے، تجربہ یہ ظاہر اس کی تصدیق پر آمادہ ہے، آئنسٹین کے نزدیک اس مکان میں نور بالکل خط مستقیم میں حرکت کرتا ہے حالانکہ موجودہ نظریہ نور کے مطابق اس کا راستہ خط مستقیم کے قریب قریب ہوتا ہے، حرکیات (علم الحركة) جو متحرک مادہ کا علم ہے وہ صرف پانچ یا چھ بُعد والا ہندسہ رہ جاتا ہے، کمیت، زمان، اور نیز فاصلہ کی پیمائش میلوں میں ہو سکتی ہے، آئنسٹین کا یہ دعویٰ ہے کہ زمان، نور مکان کا وجود مادہ کے وجود سے وابستہ ہے،

آئنسٹین نے اضافیت سے جو معنی مراد لئے ہیں وہ یہ ہیں کہ زمان، کمیت، فاصلہ مطلق کی پیمائش ناممکن ہے جب دو مشاہد ایک دوسرے کی اضافت سے حرکت کر رہے ہوں اور وہ دونوں ایک ہی واقعہ کا مطالعہ کریں تو ان کا ایک ہی نتیجہ پر پہونچنا ممکن نہیں، بنا برین جیسا پہلے گذر چکا، طبیعیات میں زمان مطلق، کمیت مطلق، فاصلہ مطلق کے کچھ معنی نہ رہے، زمان، کمیت، اور فاصلہ سب کا وجود مشاہد کی اضافت سے ہے، فلسفہ میں اس اصول کو مدت سے پیش کیا جا رہا ہے، لیکن آئنسٹین کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے، اضافیت، کو قابل پیمائش کر دکھایا، اور اس کے واسطہ عملی ثبوت کو ممکن قرار دیا،

مختصر تاریخ | البرٹ آئنسٹین نے اضافیت پر سب سے پہلا مضمون رسالہ اناسٹون ڈزفک

لے موجودہ یعنی اقلیدسی ہندسہ میں لمب کا ماننا ہوتا ہے کسی شی میں مادہ کی جو مقدار ہوتی ہے وہ اس کی کمیت کہلاتی ہے،

۱۹۰۵ء میں شائع کیا پہلے وہ سوئٹزر لینڈ کے پٹینٹ دفتر میں ملازم تھا، اب وہ برلن میں پروفیسر ہے، ۱۹۰۵ء سے اس نے اب تک متعدد مضامین شائع کئے ہیں اور ۱۹۱۹ء کے اوائل سے اس نے اس نظریہ کو وسعت دینا شروع کیا، اب تک تو صرف زمان و فاصلہ سے بحث کرتا تھا اب اس نے کمیت کو بھی شامل کر لیا، کمیت، اور وجود، مادہ کی فطری خاصیتیں ہیں جن کا تعلق تجاذب سے بہت قوی ہے، آئنسٹین کے نظریہ اضافیت کے ارتقاء کے تین دور ہیں:-

پہلا دور ۱۹۰۵ء سے قبل کا ہے، اس وقت دوسرے محققین نے داغ بیل ڈال دی تھی، جن کو مادہ کے برقیاتی نظریہ کی تلاش تھی، آئنسٹین نے سب سے پہلا نظریہ ۱۹۰۵ء میں قائم کیا اور ۱۹۱۵ء میں اس کو وسعت دیکر ایک کلیہ کی صورت میں پیش کیا،

نظریہ کی کیفیت | آئنسٹین کا اہل نظریہ اضافیت مکان و زمان کے شائع ہونے کے کچھ عرصہ بعد مشکوک کی نے یہ بتلایا کہ آئنسٹین کا کارنامہ صرف یہ ہے کہ اس نے زمان کو جو تھا بعد قرار دیا ہے نظریہ

مکان کے ابعاد ثلاثہ طول، عرض، اور عمق ہیں، اس کا ذکر ہر ہندسہ کی کتاب میں ہے اور ہر شخص اسے واقف ہے ذہن انسانی دو بعدی مکان کا مفہوم بھی قائم کر سکتا ہے چنانچہ ہندسہ ثنوی اس کی دلیل ہے، نیز ایک بعدی مکان بھی قرین فہم ہے جس کی مثال خط مستقیم ہے، لیکن ہمارا ذہن چار بعدی مکان کا مفہوم قائم کرنے سے قاصر ہے، مگر طبیعیات میں جو ریاضی مساواتیں استعمال کی جاتی ہیں ان میں جہان طول، عرض، و عمق کا استعمال ہوتا ہے وہ ان زمان بھی شامل ہوتا ہے اور اس کی وہی حقیقت ہوتی ہے جو لقیہ تین بُعدوں کی ہے، اس بنیاد پر صرف ذہنی طور پر زمان کو جو تھا بعد قرار دے سکتے ہیں

نیل | اس کی تمثیل ہم کو متحرک تصاویر یعنی سینما میں ملتی ہے، تماشا گاہ میں عرض پر دے

بر جو تصویریں تظلیل (سایہ انگن) کی جاتی ہیں ان میں صرف دو بُعد ہوتے ہیں، لیکن ہم ان کو

لے برناطیسی [برقی، مقناطیسی] نظریہ وہ نظریہ ہے جس کی رو سے نور، برقی مقناطیس ایک ہی حقیقت قرار پاتے ہیں، نئے روسی عالم،

تین بُعد تصور کرتے ہیں، جیسے کسی عکاسی تصویر (فوٹو) میں دُوبُعد ہی ہوتے ہیں اور اس میں تیسرا بُعد یعنی عمق کا پتہ نہیں ہوتا، لیکن ہم اس میں عمق کا بھی تصور کرتے ہیں،

غور طلب امر یہ ہے کہ سینما میں تصویریں حرکت کرتی نظر آتی ہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ ایک ہی تصویر نہیں جو متحرک ہو بلکہ وہ ایک سلسلہ تصاویر ہے جس میں معلن چیزیں دکھائی جاتی ہیں، ایک تصویر جب دوسری تصویر کی جگہ لیتی ہے تو اس سرعت کے ساتھ کہ ہم کو اس کا علم نہیں ہوتا، جب ہم ایک معمولی عکاسی تصویر کو دیکھتے ہیں تو ہم مکان کا خیال تو قائم کرتے ہیں لیکن زمان کا اس میں شائبہ تک نہیں ہوتا، جب ہم ایک متحرک تصویر کو دیکھتے ہیں تو مکان کے ساتھ ساتھ زمان کا بھی خیال ہمارے ذہن میں قائم ہوتا ہے، زمان کا یہ احساس آلہ نظر انداز کے اندرونی تصویر بردار جمل تپ (FILM) کی حرکت کا نتیجہ ہے، اس حرکت کا پردے پر کوئی جواب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے دیکھنے والے کو اس کا احساس نہیں ہوتا، جہاں تک اس مشاہد کا تعلق ہے آلہ مذکور کی اندرونی جمل تپ کی یہ حرکت ایک اور بعد میں ہے جس کو بعد زمانی کہنا چاہئے۔

عرصہ ہوا کہ یہ گمان پیش کیا گیا تھا کہ روزمرہ کی زندگی میں زمان کا جو احساس ہوتا ہے وہ ایک جو تھے مفروضہ بُعد میں غیر محسوس حرکت کا نتیجہ ہے، ہم ایسے لانتہا عالموں کا وجود مان سکتے ہیں جو ایک دوسرے کے قریب قریب متماثل ہوں، ان میں کچھ نہ کچھ فرق تو ہو ہی گا، جب ہمارا شعور ایک ایسے عالم سے دوسرے عالم میں سلسلہ بہ سلسلہ منتقل ہوتا جائیگا تو اس فرق کو ہم اشیاء کی حرکت سے تعبیر کر سکتے ہیں، کسی ایک لمحہ میں ہم چار بُعدی مکان والے عالم کا بالکل شے شعور نہیں کر سکتے ہم کو صاف بُعدی مکان کا شعور ہوتا ہے،

لے یعنی وہ آلہ جس کے ذریعہ سے پردے پر تصویریں ڈالی جاتی ہیں،

اس کی توضیح کے لئے ہم یہ تمثیل پیش کرتے ہیں کہ فرض کیجئے کہ مکان میں صرف دُوبُعد ہی بعد ہیں، تو ایسے دُوبُعدی آدمی کا تصور کیجئے جو کسی حوض کے پانی کی سطح پر سکونت پذیر ہو اور جس کو صاف ان ہی مظاہر کا شعور ہو جو اس سطح پر واقع ہوتے ہوں، بالفرض اگر پانی کی پناں (LEVEL) ایک خاص شرح سے صعود کر رہی ہو تو ایسا آدمی کیا مشاہدہ کرے گا؟ ایک چکن نیزہ لیجئے اور اس کو انتصاباً (یعنی سیدھا کھڑا) پانی میں کچھ اندر اور کچھ باہر رکھئے، اب یہ چپٹا آدمی سیر کی اس مدد و تراش ہی کا مشاہدہ کر سکتا ہے جو پانی کی سطح سے بن جاتی ہے، اور اس کے لحاظ سے چون ہون پناں اٹھگی یہ تراش بظاہر ثابت المثل اور شکل میں مدور ہی نظر آتی ہوگی، پناں کا صعود و مدور زمان کے مرادف ہے، ایسے آدمی کو اشیاء کی ایسی تراشوں کے صعود کا علم ان مقامات پر جہاں کہ وہ اشیاء سطح کو قطع کرتی ہیں، نہیں ہو سکتا، لیکن اگر نیزہ انتصابی حالت سے کسی قدر مائل کر دیا جائے تو یہ سطحی آدمی فوراً کہیگا کہ نیزہ حرکت کر رہا ہے، کیونکہ نیزہ اور آبی سطح کے تقاطع کا مقام، پناں کی بلندی کے ساتھ ساتھ اپنا محل بدلتا جائیگا، دُوبُعدی آدمی کے لئے نیزے کا وجود صرف اسی تراش تک محدود مزید برآں اگر وہ ہوشیاری کے ساتھ مشاہدہ کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ اس کے متحرک یا مائل نیزے کی تراش گول نہیں رہی بلکہ بیضوی ہو گئی ہے، اور اس کو لامحالہ اس نتیجہ پر پہنچنا پڑیگا کہ حرکت کی حالت میں اشیاء کی شکل بدل جاتی ہے، ساتھ ہی اس کے اس کا فیصلہ یہ ہوگا کہ متحرک یا مائل نیزے سے اس وقت کا اظہار نہیں ہوتا جو انتصابی نیزے سے ظاہر ہوتا تھا، یعنی اگر اس نیزے میں بھی کوئی سطحی آدمی رہتا جو وقت کو نیزے میں پانی چرمنے کی رفتار سے پیمائش کرتا تو اس کے اور ہمارے دُوبُعدی آدمی کے وقتوں میں فرق ہوتا۔

وقت بعد رابع | اس تمثیل کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں، غالباً اکثر ناظرین کہیں اس کو فوٹو خیال کرنے لگے ہوں، لیکن علمی مباحث میں کہی کسی شے کو فوٹو نہیں کہتے، بشرطیکہ وہ اپنے

موضوعہ مقاصد کو انجام دے، ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ زمان کے ساتھ جو نسبت ہم کو ہے وہی نسبت اس سطحی آدمی کو پناہ کے صدور سے ہے، اس مفروضہ سے ہم نتائج اخذ کر سکتے ہیں اور اگر مشاہدات فطرت ان نتائج کی تصدیق کریں تو ہمارا مفروضہ درست اور صحیح ہوگا، جس طرح طبیعیات کے دیگر مفروضات درست ہوا کرتے ہیں، ہمارا مفروضہ اپنے مفروضہ مقصد کو پورا کرتا ہے، پس اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ہماری رفتار اس چوتھے یا زمانی بعد میں نور کی رفتار کے مساوی ہے، اور آئنسٹین اور نیوٹن کا وہی کا نظریہ اپنی سادہ ترین شکل میں بھی ہوتا تو اس مفروضہ سے ماخوذ نتائج کی تصدیق مشاہدہ سے ہوتی معلوم ہوتی ہے، ایک متحرک کرہ ایک ثابت مشاہد کو بیضوی نظر آتا ہے، جیسے سطح آدمی کو دائرہ بیضوی معلوم ہوا تھا،

نکا وکی نے جو ریاضی شرح لکھی ہے اس میں زمان کو خیالی مانا ہے جس طرح جبر و مقابلہ میں مقادیر خیالی تصور کی جاتی ہیں، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص ہماری سطح آبی اور نیزہ والی مثل کو طول دے تو وہ ایسے نتائج پر پہنچے گا جو آئنسٹین کے مشاہدات سے کسی قدر مختلف ہونگے تاہم باوجود اس نقص کے یہ مثل ہمارے سامنے اضافیت کا اصل نقشہ ایک حد تک پیش کر دیتی ہے،

اگر آئنسٹین کے زمانی مکان کو ہم ایک طبیعیاتی حقیقت تسلیم کر لیں تو نہایت حیرت زا اور دل فریب تجربے ایجاد کئے جاسکتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ فی الحال ایسے تجربوں کو عملی جامہ پہنانے کا کافی سامان موجود نہیں ہے، مثلاً اگر ایک شخص کو ایسی رفتار سے حرکت دی جائے جو نور کے رفتار کے مساوی ہو یا اس سے لگ بھگ ہو، (بشرطیکہ وہ ایسی رفتار کے ہونے ہوئے زندہ بھی رہ سکے) تو اس کے علاقے زمانی میں ایک تنیر عظیم واقع ہو جائیگا یعنی جو ہمارے لئے مستقبل ہے وہ اس کے لئے حال ہو جائیگا، یا ہمارا حال اس کے لئے مستقبل ہو جائیگا، نیز وہ ہمارے لحاظ سے ایک ہی وقت میں کئی جگہ موجود ہو سکتا ہے، ایچ جی ویلر مشہور انگریزی علمی افسانہ نویس نے ایک افسانہ لکھا ہے

جس کا نام "وقت کی کل ہے"۔ اس میں ایک آدمی ایک ایسی مشین ایجاد کرتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ حسب منشاء زمان میں حرکت کر سکتا ہے، اس نظریہ کی رو سے یہ لوگ افسانہ افسانہ نہیں رہتا بلکہ عالم خیال سے نکل کر طبیعیاتی ممکنات میں آجاتا ہے،

نظریہ اضافیت کی ان عجیب و غریب پیچیدگیوں میں ابھنا کچھ زیادہ مفید نہیں، اس کی وجہ سے اس کی حقیقی علمی وقعت کا اندازہ نہ ہو سکیگا، یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس نظریہ کے بموجب تقلیدی اندسہ بالکل غلط قرار پاتا ہے، اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس ہندسہ میں زمان، طول اور کمیت مطلق کے وجود کو تسلیم کیا گیا ہے، یہ کہنا درست ہوگا کہ اس سے نیوٹن کے کلیہ تجاذب کا بطلان لازم آتا ہے یا یہ کہ زمانہ جو مفہوم ہم نے قائم کر رکھا ہے اس کو یہ غلط ٹھہراتا ہے تقلیدی ہندسہ اور نیوٹنی حرکیات اپنے اپنے مفروضات کے تحت کو سرا انجام دیتے ہیں، لیکن وہ بالکل صیقل نہیں آتے، نظریہ اضافیت کی نسبت خیال ہے کہ وہ ضرورت میں صادق آتا ہے، ان مسئلوں میں جن میں رفتاریں عظیم نہ ہوں اضافیت، تقلیدی ہندسہ اور نیوٹنی حرکیات میں تحویل ہو جاتا ہے، لیکن جب رفتاریں عظیم ہوں تو نظریہ اضافیت ان اثرات کا بتاتا ہے جو فطرت میں فی الحقیقت ظہور پذیر ہیں لیکن نیوٹنی حرکیات سے ان کا پتہ نہیں لگتا،

تمام طبیعیات اس نظریہ پر ایمان نہیں لائے ہیں اور ابھی تک اکثر ماہرین فن نے اس کو قبول کیا ہے، لیکن اس کو اگر کبھی قبول عام حاصل ہوا تو اس کا سبب یہ ہوگا کہ مثل دیگر کلیات طبیعیاتی نظریوں کے اس میں بھی نئے نئے مظاہر کے متعلق پیشین گوئی کرنے کی طاقت ہے، اور دنیا میں جتنے بھی مظاہر مشاہدہ میں آتے ہیں سب کو ایک ہی سلسلہ میں منسلک کرنے کی قوت ہے، اس راجح نظریہ تمام علوم طبیعیہ پر صادق آتا ہے، اس میں بیشتر مکان و زمان اور مادہ کی بحث ہے اور

کئی طور پر نور اور برق کا بیان بھی آجاتا ہے، اس کے ذریعہ سے نیوٹن اور میکسول دونوں کے مشہور انگریز ریاضی دان جسے برقیاتی نظریہ قائم کیا،

کا رتا سے متحد ہو جاتے ہیں،

روایت ہے کہ نیوٹن نے ایک سیب کو درخت سے زمین پر گرتے دیکھا اور اس سے اس نے سورج، چاند اور ستاروں کے طلوع و غروب کا حساب لگایا، اگر یہ صحیح ہے تو آئنسٹین نے ایک آدمی کو ایک بلند عمارت سے گرتے دیکھا اور بعد میں اس سے گرنے کی حالت میں احساسات کے متعلق سوال کیا، اس طرح نیوٹن نے بھی اس نے ایک قدم اور آگے بڑھا دیا، ہر وہ شے جس کی توجیہ نیوٹن کر سکتا تھا آئنسٹین کے یہاں بھی ممکن ہے لیکن اس کے علاوہ نیوٹن کے ماننے والے مریخ کے مدار کی خفیت سی تبدیلی کی توجیہ نہیں کر سکتے تھے، آئنسٹین کر سکتا ہے، نور کے راستہ میں جو انحراف ہوتا تھا اور جس سے ہم اب تک بیخبر تھے آئنسٹین ہی نے اس کی طرف ہم کو توجہ دلائی، قطع نظر اس امر کے کہ یہ نظریہ مکان و زمان و تجاذب جو آئنسٹین نے ایجاد کیا ہے عام طور سے قبول کیا جائے نہ کیا جائے ہم اس جوہر ذہنی پر تعجب کے بغیر نہیں رہ سکتے جس نے ایک چھت سے گرتے آدمی اور اس روشنی کے درمیان جو ۱۹۱۹ء میں سورج کی طرف گرتی دکھائی دی تھی، ایک علاقہ ثابت کر دکھایا، یہ خبر خالی از دھچی نہ ہوگی کہ جاپان کے علماء نے پروفیسر آئنسٹین کو مدعو کیا ہے اور اس نے اس دعوت کو قبول بھی کر لیا ہے، ایک جاپانی عالم نے جو اس نظریہ کو باطل کرنا چاہتا ہے، اُس سے مناظرہ کا ارادہ بھی کیا ہے، یہ مناظرہ اگر کبھی ہوا تو دھچی سے خالی نہ ہوگا،

علم الکلام

مولانا شبلی مرحوم کی وہ مشہور تصنیف جس میں علم الکلام کی تاریخ اور اس کے عہد بہ عہد کی ترقیاں اور تدریجی رفتار اور ہر دور کے اکابر مکملین کے مسائل و مجتہدات پر تبصرہ ہے، مدت ہوئی کہ ناپید ہوئی تھی، اب مطبع معارف نے نہایت عمدہ کاغذ پر اہتمام کے ساتھ چھاپا ہے، قیمت ۷۵،

”منہجر“

منہج تارخی

خاندان تغلق

کے متعلق

پانچ تاریخی سوالات

مترجمہ جناب سعید انصاری، معلم جامعہ ملیہ،

عنوان بالا سے ایک تھقانہ مضمون رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جولائی ۱۹۲۲ء نمبر میں سرور کی ہیک کے قلم سے نکلا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے پانچ سوالات قائم کر کے اس عہد کے بعض تحقیق طلب واقعات پر روشنی ڈالی ہے اور وہ سوالات یہ ہیں:-

(۱) اس خاندان کا یہ نام کیونکر ہوا؟

(۲) اس بغاوت کے اصلی واقعات جو ۱۲۲۱ء میں درنگل کی مہم کے موقع پر محمد جوہا کی فوج میں ہوئی تھی، کیا تھے؟

(۳) سلطان غیاث الدین کا اپنے بیٹے محمد جوہا سے ہنگام کی اثناء مہم میں ناراضگی کا کیا

سبب تھا؟ اور بیٹے پر اپنے باپ کی موت کی ذمہ داری کہاں تک ہے؟

(۴) محمد تغلق کے عہد حکومت کے تاریخ دار واقعات،

(۵) اس لڑکے کی ولدیت جسے احمد یاز (خواجہ جہان) نے محمد تغلق کے مرنے پر تخت نشین

کیا تھا، کیا تھی؟

ان سوالات میں سے پہلے تین کا مختص ناظرین معارف کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے جو زیادہ اہم اور دلچسپ ہیں،

(سید)

۱۱) خاندان کا نام

اس نام (تغلق) کی تحقیق کے متعلق فرشتہ یہ لکھتا ہے کہ ہندوستان کے مورخین متقدمین اور متاخرین ہر دو گروہ نے خاندان تغلق کی اصل کے متعلق متفقانہ طور پر لکھنے کو ہمیشہ نظر انداز کر دیا ہے، راقم الحروف محمد قاسم فرشتہ جب نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ کے اوائل حکومت میں بحیثیت سفیر ابراہیم عادل شاہ سلطان انصاری کے دربار سے لاہور آیا، اس وقت میں نے اس کے متعلق ایسے اچھے سے دریافت کیا جو سلاطین ہند کی تاریخ پڑھنے میں دلچسپی لیتے اور اس سے بخوبی واقفیت بھی رکھتے تھے۔ انھوں نے اس کے بارے میں اپنی لاعلمی کا اظہار کیا لیکن اس قدر بتایا کہ روایت کے طور پر یہ مشہور ہے کہ ملک تغلق جو سلطان غیاث الدین تغلق کا باپ تھا، غیاث الدین بلبن کے ترکی غلاموں میں سے ایک غلام تھا، اس نے جاٹوں سے جو اسی ملک کے باشندے تھے، دوستی پیدا کر لی، ان جاٹوں نے ملک تغلق کی شادی اپنے ہاں کر دی جس سے غیاث الدین تغلق پیدا ہوا، ملحقات میں یہ لکھا ہے کہ تغلق اصل میں قلعہ تھا جو ایک ترکی زبان کا لفظ ہے اور ہندوستان کے لوگوں نے تلفظ کرنے میں اس کو الٹ کر تغلق کر دیا اور بعضوں نے تو قلعہ سے قتلوا بنا دیا۔

خلاصہ التواریخ میں یہ روایت یوں بیان کی گئی ہے کہ غیاث الدین تغلق شاہ کی ماں پنجاب کی ایک "جاٹ" (جاٹ کی عورت) تھی، ابن بطوطہ اس کی اس طرح تصدیق لے اس سے غالباً شیخ عین الدین بیجاپوری کی ملحقات مراد ہے۔

کہتا ہے کہ وہ (غیاث الدین تغلق شاہ) ایک قزوینی ترک تھا جس کے معنی مار کو پلو نے غلط انسل کے لکھے ہیں یعنی باپ ترکی ہوا اور مان ہندی ہے

اس روایت سے جسے متعدد راویوں نے بیان کیا ہے، غیاث الدین تغلق کی نسل کا تہ مان کی طرف سے تو چل جاتا ہے لیکن لفظ تغلق کی اصل حقیقت نہیں ظاہر ہوتی۔ فرشتہ اور شیخ عین الدین نے جو کچھ بھی لکھا ہے وہ محض قیاس پر مبنی ہے جس طرح سے علم لسان میں لفظ پٹنہ پٹھان سے مشتق بتایا جاتا ہے اور خدیو، خود، اور دیو سے مرکب بیان کیا جاتا ہے،

اس میں شبہ نہیں کہ تغلق کسی قبیلہ کا نام ہے اور خیال یہ ہے کہ غیاث الدین کا باپ ترکوں کے اس قبیلہ سے تھا جو ختن کے قریب آباد تھا اور جسے سرکل اسٹین نے اپنی کتاب (محررے کیتھے کے آثار) میں تغلق، (تائے بفتح دلام بالکسر) کے نام سے موسوم کیا ہے، تغلق خان (ملک تغلق) یا تو غیاث الدین بلبن کے ہاتھ بطور مال تجارت آگیا ہو یا منگولوں کے حملہ سے بھاگ کر ہندوستان میں آکر پناہ لی ہو، منوچکر قیاس اس کے بیٹے کے اس افتخار کی مزید توضیح کرتا ہے "میں نے تمار یون سے انقیس موقعوں پر مقابلہ کیا اور شکست دی۔ اس بنا پر میں، الملک الغازی، کہلاتا ہوں۔"

اب مختلف فیہ مسئلہ لفظ کا تلفظ رہا۔ لیں پول نے اس کا تلفظ تغلق، (تائے دلام بفتح) کیا ہے اور سرکل اسٹین نے تغلق، (تائے بفتح دلام بالکسر) لکھا ہے لیکن اس مسئلہ میں ابن بطوطہ کی تقلید زیادہ مناسب ہے وہ تغلق، (تائے دلام بالضم) لکھتا ہے، یہ قیاس سے باہر ہے کہ اس نے اپنے ربی کے قبیلہ کے نام میں جسے وہ آٹھوں پر سناتا رہا ہو، غلطی کی ہو، گو عام طور پر وہ اس مسئلہ میں صحیح رہتا نہیں بن سکتا کیونکہ لہمش کو اس نے لہمش لکھا ہے لیکن سلطان شمس الدین لہمش اس کے

لے کر انیکلس مصنفہ ۱۸۶۷ء، ۱۸۷۱ء، ۱۸۷۲ء، ۱۸۷۳ء، ۱۸۷۴ء، ۱۸۷۵ء، ۱۸۷۶ء، ۱۸۷۷ء، ۱۸۷۸ء، ۱۸۷۹ء، ۱۸۸۰ء، ۱۸۸۱ء، ۱۸۸۲ء، ۱۸۸۳ء، ۱۸۸۴ء، ۱۸۸۵ء، ۱۸۸۶ء، ۱۸۸۷ء، ۱۸۸۸ء، ۱۸۸۹ء، ۱۸۹۰ء، ۱۸۹۱ء، ۱۸۹۲ء، ۱۸۹۳ء، ۱۸۹۴ء، ۱۸۹۵ء، ۱۸۹۶ء، ۱۸۹۷ء، ۱۸۹۸ء، ۱۸۹۹ء، ۱۹۰۰ء، ۱۹۰۱ء، ۱۹۰۲ء، ۱۹۰۳ء، ۱۹۰۴ء، ۱۹۰۵ء، ۱۹۰۶ء، ۱۹۰۷ء، ۱۹۰۸ء، ۱۹۰۹ء، ۱۹۱۰ء، ۱۹۱۱ء، ۱۹۱۲ء، ۱۹۱۳ء، ۱۹۱۴ء، ۱۹۱۵ء، ۱۹۱۶ء، ۱۹۱۷ء، ۱۹۱۸ء، ۱۹۱۹ء، ۱۹۲۰ء، ۱۹۲۱ء، ۱۹۲۲ء، ۱۹۲۳ء، ۱۹۲۴ء، ۱۹۲۵ء، ۱۹۲۶ء، ۱۹۲۷ء، ۱۹۲۸ء، ۱۹۲۹ء، ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۱ء، ۱۹۳۲ء، ۱۹۳۳ء، ۱۹۳۴ء، ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۶ء، ۱۹۳۷ء، ۱۹۳۸ء، ۱۹۳۹ء، ۱۹۴۰ء، ۱۹۴۱ء، ۱۹۴۲ء، ۱۹۴۳ء، ۱۹۴۴ء، ۱۹۴۵ء، ۱۹۴۶ء، ۱۹۴۷ء، ۱۹۴۸ء، ۱۹۴۹ء، ۱۹۵۰ء، ۱۹۵۱ء، ۱۹۵۲ء، ۱۹۵۳ء، ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۵ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۵۷ء، ۱۹۵۸ء، ۱۹۵۹ء، ۱۹۶۰ء، ۱۹۶۱ء، ۱۹۶۲ء، ۱۹۶۳ء، ۱۹۶۴ء، ۱۹۶۵ء، ۱۹۶۶ء، ۱۹۶۷ء، ۱۹۶۸ء، ۱۹۶۹ء، ۱۹۷۰ء، ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۲ء، ۱۹۷۳ء، ۱۹۷۴ء، ۱۹۷۵ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۷۷ء، ۱۹۷۸ء، ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۰ء، ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۲ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۴ء، ۱۹۸۵ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۷ء، ۱۹۸۸ء، ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۱ء، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۴ء، ۱۹۹۵ء، ۱۹۹۶ء، ۱۹۹۷ء، ۱۹۹۸ء، ۱۹۹۹ء، ۲۰۰۰ء، ۲۰۰۱ء، ۲۰۰۲ء، ۲۰۰۳ء، ۲۰۰۴ء، ۲۰۰۵ء، ۲۰۰۶ء، ۲۰۰۷ء، ۲۰۰۸ء، ۲۰۰۹ء، ۲۰۱۰ء، ۲۰۱۱ء، ۲۰۱۲ء، ۲۰۱۳ء، ۲۰۱۴ء، ۲۰۱۵ء، ۲۰۱۶ء، ۲۰۱۷ء، ۲۰۱۸ء، ۲۰۱۹ء، ۲۰۲۰ء، ۲۰۲۱ء، ۲۰۲۲ء، ۲۰۲۳ء، ۲۰۲۴ء، ۲۰۲۵ء، ۲۰۲۶ء، ۲۰۲۷ء، ۲۰۲۸ء، ۲۰۲۹ء، ۲۰۳۰ء، ۲۰۳۱ء، ۲۰۳۲ء، ۲۰۳۳ء، ۲۰۳۴ء، ۲۰۳۵ء، ۲۰۳۶ء، ۲۰۳۷ء، ۲۰۳۸ء، ۲۰۳۹ء، ۲۰۴۰ء، ۲۰۴۱ء، ۲۰۴۲ء، ۲۰۴۳ء، ۲۰۴۴ء، ۲۰۴۵ء، ۲۰۴۶ء، ۲۰۴۷ء، ۲۰۴۸ء، ۲۰۴۹ء، ۲۰۵۰ء، ۲۰۵۱ء، ۲۰۵۲ء، ۲۰۵۳ء، ۲۰۵۴ء، ۲۰۵۵ء، ۲۰۵۶ء، ۲۰۵۷ء، ۲۰۵۸ء، ۲۰۵۹ء، ۲۰۶۰ء، ۲۰۶۱ء، ۲۰۶۲ء، ۲۰۶۳ء، ۲۰۶۴ء، ۲۰۶۵ء، ۲۰۶۶ء، ۲۰۶۷ء، ۲۰۶۸ء، ۲۰۶۹ء، ۲۰۷۰ء، ۲۰۷۱ء، ۲۰۷۲ء، ۲۰۷۳ء، ۲۰۷۴ء، ۲۰۷۵ء، ۲۰۷۶ء، ۲۰۷۷ء، ۲۰۷۸ء، ۲۰۷۹ء، ۲۰۸۰ء، ۲۰۸۱ء، ۲۰۸۲ء، ۲۰۸۳ء، ۲۰۸۴ء، ۲۰۸۵ء، ۲۰۸۶ء، ۲۰۸۷ء، ۲۰۸۸ء، ۲۰۸۹ء، ۲۰۹۰ء، ۲۰۹۱ء، ۲۰۹۲ء، ۲۰۹۳ء، ۲۰۹۴ء، ۲۰۹۵ء، ۲۰۹۶ء، ۲۰۹۷ء، ۲۰۹۸ء، ۲۰۹۹ء، ۲۱۰۰ء، ۲۱۰۱ء، ۲۱۰۲ء، ۲۱۰۳ء، ۲۱۰۴ء، ۲۱۰۵ء، ۲۱۰۶ء، ۲۱۰۷ء، ۲۱۰۸ء، ۲۱۰۹ء، ۲۱۱۰ء، ۲۱۱۱ء، ۲۱۱۲ء، ۲۱۱۳ء، ۲۱۱۴ء، ۲۱۱۵ء، ۲۱۱۶ء، ۲۱۱۷ء، ۲۱۱۸ء، ۲۱۱۹ء، ۲۱۲۰ء، ۲۱۲۱ء، ۲۱۲۲ء، ۲۱۲۳ء، ۲۱۲۴ء، ۲۱۲۵ء، ۲۱۲۶ء، ۲۱۲۷ء، ۲۱۲۸ء، ۲۱۲۹ء، ۲۱۳۰ء، ۲۱۳۱ء، ۲۱۳۲ء، ۲۱۳۳ء، ۲۱۳۴ء، ۲۱۳۵ء، ۲۱۳۶ء، ۲۱۳۷ء، ۲۱۳۸ء، ۲۱۳۹ء، ۲۱۴۰ء، ۲۱۴۱ء، ۲۱۴۲ء، ۲۱۴۳ء، ۲۱۴۴ء، ۲۱۴۵ء، ۲۱۴۶ء، ۲۱۴۷ء، ۲۱۴۸ء، ۲۱۴۹ء، ۲۱۵۰ء، ۲۱۵۱ء، ۲۱۵۲ء، ۲۱۵۳ء، ۲۱۵۴ء، ۲۱۵۵ء، ۲۱۵۶ء، ۲۱۵۷ء، ۲۱۵۸ء، ۲۱۵۹ء، ۲۱۶۰ء، ۲۱۶۱ء، ۲۱۶۲ء، ۲۱۶۳ء، ۲۱۶۴ء، ۲۱۶۵ء، ۲۱۶۶ء، ۲۱۶۷ء، ۲۱۶۸ء، ۲۱۶۹ء، ۲۱۷۰ء، ۲۱۷۱ء، ۲۱۷۲ء، ۲۱۷۳ء، ۲۱۷۴ء، ۲۱۷۵ء، ۲۱۷۶ء، ۲۱۷۷ء، ۲۱۷۸ء، ۲۱۷۹ء، ۲۱۸۰ء، ۲۱۸۱ء، ۲۱۸۲ء، ۲۱۸۳ء، ۲۱۸۴ء، ۲۱۸۵ء، ۲۱۸۶ء، ۲۱۸۷ء، ۲۱۸۸ء، ۲۱۸۹ء، ۲۱۹۰ء، ۲۱۹۱ء، ۲۱۹۲ء، ۲۱۹۳ء، ۲۱۹۴ء، ۲۱۹۵ء، ۲۱۹۶ء، ۲۱۹۷ء، ۲۱۹۸ء، ۲۱۹۹ء، ۲۲۰۰ء، ۲۲۰۱ء، ۲۲۰۲ء، ۲۲۰۳ء، ۲۲۰۴ء، ۲۲۰۵ء، ۲۲۰۶ء، ۲۲۰۷ء، ۲۲۰۸ء، ۲۲۰۹ء، ۲۲۱۰ء، ۲۲۱۱ء، ۲۲۱۲ء، ۲۲۱۳ء، ۲۲۱۴ء، ۲۲۱۵ء، ۲۲۱۶ء، ۲۲۱۷ء، ۲۲۱۸ء، ۲۲۱۹ء، ۲۲۲۰ء، ۲۲۲۱ء، ۲۲۲۲ء، ۲۲۲۳ء، ۲۲۲۴ء، ۲۲۲۵ء، ۲۲۲۶ء، ۲۲۲۷ء، ۲۲۲۸ء، ۲۲۲۹ء، ۲۲۳۰ء، ۲۲۳۱ء، ۲۲۳۲ء، ۲۲۳۳ء، ۲۲۳۴ء، ۲۲۳۵ء، ۲۲۳۶ء، ۲۲۳۷ء، ۲۲۳۸ء، ۲۲۳۹ء، ۲۲۴۰ء، ۲۲۴۱ء، ۲۲۴۲ء، ۲۲۴۳ء، ۲۲۴۴ء، ۲۲۴۵ء، ۲۲۴۶ء، ۲۲۴۷ء، ۲۲۴۸ء، ۲۲۴۹ء، ۲۲۵۰ء، ۲۲۵۱ء، ۲۲۵۲ء، ۲۲۵۳ء، ۲۲۵۴ء، ۲۲۵۵ء، ۲۲۵۶ء، ۲۲۵۷ء، ۲۲۵۸ء، ۲۲۵۹ء، ۲۲۶۰ء، ۲۲۶۱ء، ۲۲۶۲ء، ۲۲۶۳ء، ۲۲۶۴ء، ۲۲۶۵ء، ۲۲۶۶ء، ۲۲۶۷ء، ۲۲۶۸ء، ۲۲۶۹ء، ۲۲۷۰ء، ۲۲۷۱ء، ۲۲۷۲ء، ۲۲۷۳ء، ۲۲۷۴ء، ۲۲۷۵ء، ۲۲۷۶ء، ۲۲۷۷ء، ۲۲۷۸ء، ۲۲۷۹ء، ۲۲۸۰ء، ۲۲۸۱ء، ۲۲۸۲ء، ۲۲۸۳ء، ۲۲۸۴ء، ۲۲۸۵ء، ۲۲۸۶ء، ۲۲۸۷ء، ۲۲۸۸ء، ۲۲۸۹ء، ۲۲۹۰ء، ۲۲۹۱ء، ۲۲۹۲ء، ۲۲۹۳ء، ۲۲۹۴ء، ۲۲۹۵ء، ۲۲۹۶ء، ۲۲۹۷ء، ۲۲۹۸ء، ۲۲۹۹ء، ۲۳۰۰ء، ۲۳۰۱ء، ۲۳۰۲ء، ۲۳۰۳ء، ۲۳۰۴ء، ۲۳۰۵ء، ۲۳۰۶ء، ۲۳۰۷ء، ۲۳۰۸ء، ۲۳۰۹ء، ۲۳۱۰ء، ۲۳۱۱ء، ۲۳۱۲ء، ۲۳۱۳ء، ۲۳۱۴ء، ۲۳۱۵ء، ۲۳۱۶ء، ۲۳۱۷ء، ۲۳۱۸ء، ۲۳۱۹ء، ۲۳۲۰ء، ۲۳۲۱ء، ۲۳۲۲ء، ۲۳۲۳ء، ۲۳۲۴ء، ۲۳۲۵ء، ۲۳۲۶ء، ۲۳۲۷ء، ۲۳۲۸ء، ۲۳۲۹ء، ۲۳۳۰ء، ۲۳۳۱ء، ۲۳۳۲ء، ۲۳۳۳ء، ۲۳۳۴ء، ۲۳۳۵ء، ۲۳۳۶ء، ۲۳۳۷ء، ۲۳۳۸ء، ۲۳۳۹ء، ۲۳۴۰ء، ۲۳۴۱ء، ۲۳۴۲ء، ۲۳۴۳ء، ۲۳۴۴ء، ۲۳۴۵ء، ۲۳۴۶ء، ۲۳۴۷ء، ۲۳۴۸ء، ۲۳۴۹ء، ۲۳۵۰ء، ۲۳۵۱ء، ۲۳۵۲ء، ۲۳۵۳ء، ۲۳۵۴ء، ۲۳۵۵ء، ۲۳۵۶ء، ۲۳۵۷ء، ۲۳۵۸ء، ۲۳۵۹ء، ۲۳۶۰ء، ۲۳۶۱ء، ۲۳۶۲ء، ۲۳۶۳ء، ۲۳۶۴ء، ۲۳۶۵ء، ۲۳۶۶ء، ۲۳۶۷ء، ۲۳۶۸ء، ۲۳۶۹ء، ۲۳۷۰ء، ۲۳۷۱ء، ۲۳۷۲ء، ۲۳۷۳ء، ۲۳۷۴ء، ۲۳۷۵ء، ۲۳۷۶ء، ۲۳۷۷ء، ۲۳۷۸ء، ۲۳۷۹ء، ۲۳۸۰ء، ۲۳۸۱ء، ۲۳۸۲ء، ۲۳۸۳ء، ۲۳۸۴ء، ۲۳۸۵ء، ۲۳۸۶ء، ۲۳۸۷ء، ۲۳۸۸ء، ۲۳۸۹ء، ۲۳۹۰ء، ۲۳۹۱ء، ۲۳۹۲ء، ۲۳۹۳ء، ۲۳۹۴ء، ۲۳۹۵ء، ۲۳۹۶ء، ۲۳۹۷ء، ۲۳۹۸ء، ۲۳۹۹ء، ۲۴۰۰ء، ۲۴۰۱ء، ۲۴۰۲ء، ۲۴۰۳ء، ۲۴۰۴ء، ۲۴۰۵ء، ۲۴۰۶ء، ۲۴۰۷ء، ۲۴۰۸ء، ۲۴۰۹ء، ۲۴۱۰ء، ۲۴۱۱ء، ۲۴۱۲ء، ۲۴۱۳ء، ۲۴۱۴ء، ۲۴۱۵ء، ۲۴۱۶ء، ۲۴۱۷ء، ۲۴۱۸ء، ۲۴۱۹ء، ۲۴۲۰ء، ۲۴۲۱ء، ۲۴۲۲ء، ۲۴۲۳ء، ۲۴۲۴ء، ۲۴۲۵ء، ۲۴۲۶ء، ۲۴۲۷ء، ۲۴۲۸ء، ۲۴۲۹ء، ۲۴۳۰ء، ۲۴۳۱ء، ۲۴۳۲ء، ۲۴۳۳ء، ۲۴۳۴ء، ۲۴۳۵ء، ۲۴۳۶ء، ۲۴۳۷ء، ۲۴۳۸ء، ۲۴۳۹ء، ۲۴۴۰ء، ۲۴۴۱ء، ۲۴۴۲ء، ۲۴۴۳ء، ۲۴۴۴ء، ۲۴۴۵ء، ۲۴۴۶ء، ۲۴۴۷ء، ۲۴۴۸ء، ۲۴۴۹ء، ۲۴۵۰ء، ۲۴۵۱ء، ۲۴۵۲ء، ۲۴۵۳ء، ۲۴۵۴ء، ۲۴۵۵ء، ۲۴۵۶ء، ۲۴۵۷ء، ۲۴۵۸ء، ۲۴۵۹ء، ۲۴۶۰ء، ۲۴۶۱ء، ۲۴۶۲ء، ۲۴۶۳ء، ۲۴۶۴ء، ۲۴۶۵ء، ۲۴۶۶ء، ۲۴۶۷ء، ۲۴۶۸ء، ۲۴۶۹ء، ۲۴۷۰ء، ۲۴۷۱ء، ۲۴۷۲ء، ۲۴۷۳ء، ۲۴۷۴ء، ۲۴۷۵ء، ۲۴۷۶ء، ۲۴۷۷ء، ۲۴۷۸ء، ۲۴۷۹ء، ۲۴۸۰ء، ۲۴۸۱ء، ۲۴۸۲ء، ۲۴۸۳ء، ۲۴۸۴ء، ۲۴۸۵ء، ۲۴۸۶ء، ۲۴۸۷ء، ۲۴۸۸ء، ۲۴۸۹ء، ۲۴۹۰ء، ۲۴۹۱ء، ۲۴۹۲ء، ۲۴۹۳ء، ۲۴۹۴ء، ۲۴۹۵ء، ۲۴۹۶ء، ۲۴۹۷ء، ۲۴۹۸ء، ۲۴۹۹ء، ۲۵۰۰ء، ۲۵۰۱ء، ۲۵۰۲ء، ۲۵۰۳ء، ۲۵۰۴ء، ۲۵۰۵ء، ۲۵۰۶ء، ۲۵۰۷ء، ۲۵۰۸ء، ۲۵۰۹ء، ۲۵۱۰ء، ۲۵۱۱ء، ۲۵۱۲ء، ۲۵۱۳ء، ۲۵۱۴ء، ۲۵۱۵ء، ۲۵۱۶ء، ۲۵۱۷ء، ۲۵۱۸ء، ۲۵۱۹ء، ۲۵۲۰ء، ۲۵۲۱ء، ۲۵۲۲ء، ۲۵۲۳ء، ۲۵۲۴ء، ۲۵۲۵ء، ۲۵۲۶ء، ۲۵۲۷ء، ۲۵۲۸ء، ۲۵۲۹ء، ۲۵۳۰ء، ۲۵۳۱ء، ۲۵۳۲ء، ۲۵۳۳ء، ۲۵۳۴ء، ۲۵۳۵ء، ۲۵۳۶ء، ۲۵۳۷ء، ۲۵۳۸ء، ۲۵۳۹ء، ۲۵۴۰ء، ۲۵۴۱ء، ۲۵۴۲ء، ۲۵۴۳ء، ۲۵۴۴ء، ۲۵۴۵ء، ۲۵۴۶ء، ۲۵۴۷ء، ۲۵۴۸ء، ۲۵۴۹ء، ۲۵۵۰ء، ۲۵۵۱ء، ۲۵۵۲ء، ۲۵۵۳ء، ۲۵۵۴ء، ۲۵۵۵ء، ۲۵۵۶ء، ۲۵۵۷ء، ۲۵۵۸ء، ۲۵۵۹ء، ۲۵۶۰ء، ۲۵۶۱ء، ۲۵۶۲ء، ۲۵۶۳ء، ۲۵۶۴ء، ۲۵۶۵ء، ۲۵۶۶ء، ۲۵۶۷ء، ۲۵۶۸ء، ۲۵۶۹ء، ۲۵۷۰ء، ۲۵۷۱ء، ۲۵۷۲ء، ۲۵۷۳ء، ۲۵۷۴ء، ۲۵۷۵ء، ۲۵۷۶ء، ۲۵۷۷ء، ۲۵۷۸ء، ۲۵۷۹ء، ۲۵۸۰ء، ۲۵۸۱ء، ۲۵۸۲ء، ۲۵۸۳ء، ۲۵۸۴ء، ۲۵۸۵ء، ۲۵۸۶ء، ۲۵۸۷ء، ۲۵۸۸ء، ۲۵۸۹ء، ۲۵۹۰ء، ۲۵۹۱ء، ۲۵۹۲ء، ۲۵۹۳ء، ۲۵۹۴ء، ۲۵۹۵ء، ۲۵۹۶ء، ۲۵۹۷ء، ۲۵۹۸ء، ۲۵۹۹ء، ۲۶۰۰ء، ۲۶۰۱ء، ۲۶۰۲ء، ۲۶۰۳ء، ۲۶۰۴ء، ۲۶۰۵ء، ۲۶۰۶ء، ۲۶۰۷ء، ۲۶۰۸ء، ۲۶۰۹ء، ۲۶۱۰ء، ۲۶۱۱ء، ۲۶۱۲ء، ۲۶۱۳ء، ۲۶۱۴ء، ۲۶۱۵ء، ۲۶۱۶ء، ۲۶۱۷ء، ۲۶۱۸ء، ۲۶۱۹ء، ۲۶۲۰ء، ۲۶۲۱ء، ۲۶۲۲ء، ۲۶۲۳ء، ۲۶۲۴ء، ۲۶۲۵ء، ۲۶۲۶ء، ۲۶۲۷ء، ۲۶۲۸ء، ۲۶۲۹ء، ۲۶۳۰ء، ۲۶۳۱ء، ۲۶۳۲ء، ۲۶۳۳ء، ۲۶۳۴ء، ۲۶۳۵ء، ۲۶۳۶ء، ۲۶۳۷ء، ۲۶۳۸ء، ۲۶۳۹ء، ۲۶۴۰ء، ۲۶۴۱ء، ۲۶۴۲ء، ۲۶۴۳ء، ۲۶۴۴ء، ۲۶۴۵ء، ۲۶۴۶ء، ۲۶۴۷ء، ۲۶۴۸ء، ۲۶۴۹ء، ۲۶۵۰ء، ۲۶۵۱ء، ۲۶۵۲ء، ۲۶۵۳ء، ۲۶۵۴ء، ۲۶۵۵ء، ۲۶۵۶ء، ۲۶۵۷ء، ۲۶۵۸ء، ۲۶۵۹ء، ۲۶۶۰ء، ۲۶۶۱ء، ۲۶۶۲ء، ۲۶۶۳ء، ۲۶۶۴ء، ۲۶۶۵ء، ۲۶۶۶ء، ۲۶۶۷ء، ۲۶۶۸ء، ۲۶۶۹ء، ۲۶۷۰ء، ۲۶۷۱ء، ۲۶۷۲ء، ۲۶۷۳ء، ۲۶۷۴ء، ۲۶۷۵ء، ۲۶۷۶ء، ۲۶۷۷ء، ۲۶۷۸ء، ۲۶۷۹ء، ۲۶۸۰ء، ۲۶۸۱ء، ۲۶۸۲ء، ۲۶۸۳ء، ۲۶۸۴ء، ۲۶۸۵ء، ۲۶۸۶ء، ۲۶۸۷ء، ۲۶۸۸ء، ۲۶۸۹ء، ۲۶۹۰ء، ۲۶۹۱ء، ۲۶۹۲ء، ۲۶۹۳ء، ۲۶۹۴ء، ۲۶۹۵ء، ۲۶۹۶ء، ۲۶۹۷ء، ۲۶۹۸ء، ۲۶۹۹ء، ۲۷۰۰ء، ۲۷۰۱ء، ۲۷۰۲ء، ۲۷۰۳ء، ۲۷۰۴ء، ۲۷۰۵ء، ۲۷۰۶ء، ۲۷۰۷ء، ۲۷۰۸ء، ۲۷۰۹ء، ۲۷۱۰ء، ۲۷۱۱ء، ۲۷۱۲ء، ۲۷۱۳ء، ۲۷۱۴ء، ۲۷۱۵ء، ۲۷۱۶ء، ۲۷۱۷ء، ۲۷۱۸ء، ۲۷۱۹ء، ۲۷۲۰ء، ۲۷۲۱ء، ۲۷۲۲ء، ۲۷۲۳ء، ۲۷۲۴ء، ۲۷۲۵ء، ۲۷۲۶ء، ۲۷۲۷ء، ۲۷۲۸ء، ۲۷۲۹ء، ۲۷۳۰ء، ۲۷۳۱ء، ۲۷۳۲ء، ۲۷۳۳ء، ۲۷۳۴ء، ۲۷۳۵ء، ۲۷۳۶ء، ۲۷۳۷ء، ۲۷۳۸ء، ۲۷۳۹ء، ۲۷۴۰ء، ۲۷۴۱ء، ۲۷۴۲ء، ۲۷۴۳ء، ۲۷۴۴ء، ۲۷۴۵ء، ۲۷۴۶ء، ۲۷۴۷ء، ۲۷۴۸ء، ۲۷۴۹ء، ۲۷۵۰ء، ۲۷۵۱ء، ۲۷۵۲ء، ۲۷۵۳ء، ۲۷۵۴ء، ۲۷۵۵ء، ۲۷۵۶ء، ۲۷۵۷ء، ۲۷۵۸ء، ۲۷۵۹ء، ۲۷۶۰ء، ۲۷۶۱ء، ۲۷۶۲ء، ۲۷۶۳ء، ۲۷۶۴ء، ۲۷۶۵ء، ۲۷۶۶ء، ۲۷۶۷ء، ۲۷۶۸ء، ۲۷۶۹ء، ۲۷۷۰ء، ۲۷۷۱ء، ۲۷۷۲ء، ۲۷۷۳ء، ۲۷۷۴ء، ۲۷۷۵ء، ۲۷۷۶ء، ۲۷۷۷ء، ۲۷۷۸ء، ۲۷۷۹ء، ۲۷۸۰ء، ۲۷۸۱ء، ۲۷۸۲ء، ۲۷۸۳ء، ۲۷۸۴ء، ۲۷۸۵ء، ۲۷۸۶ء، ۲۷۸۷ء، ۲۷۸۸ء، ۲۷۸۹ء، ۲۷۹۰ء، ۲۷۹۱ء، ۲۷۹۲ء، ۲۷۹۳ء، ۲۷۹۴ء، ۲۷۹۵ء، ۲۷۹۶ء، ۲۷۹۷ء، ۲۷۹۸ء، ۲۷۹۹ء، ۲۸۰۰ء، ۲۸۰۱ء، ۲۸۰۲ء، ۲۸۰۳ء، ۲۸۰۴ء، ۲۸۰۵ء، ۲۸۰۶ء، ۲۸۰۷ء، ۲۸۰۸ء، ۲۸۰۹ء، ۲۸۱۰ء، ۲۸۱۱ء، ۲۸۱۲ء، ۲۸۱۳ء، ۲۸۱۴ء، ۲۸۱۵ء، ۲۸۱۶ء، ۲۸۱۷ء، ۲۸۱۸ء، ۲۸۱۹ء، ۲۸۲۰ء، ۲۸۲۱ء، ۲۸۲۲ء، ۲۸۲۳ء، ۲۸۲۴ء، ۲۸۲۵ء، ۲۸۲۶ء، ۲۸۲۷ء، ۲۸۲۸ء، ۲۸۲۹ء، ۲۸۳۰ء، ۲۸۳۱ء، ۲۸۳۲ء، ۲۸۳۳ء، ۲۸۳۴ء، ۲۸۳۵ء، ۲۸۳۶ء، ۲۸۳۷ء، ۲۸۳۸ء، ۲۸۳۹ء، ۲۸۴۰ء، ۲۸۴۱ء،

آنے سے ایک صدی قبل گزر چکا تھا اس لئے اس غلطی سے درگزر کیا جاسکتا ہے۔
بعض مورخین اس خاندان کے دوسرے بادشاہ کا نام محمد بن تغلق لکھتے ہیں۔ یہ ایک صریح
غلطی ہے کیونکہ تغلق کسی شخص کا نام نہیں جس سے ولدیت منسوب کی جائے بلکہ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے اور
ہر اہل قبیلہ کو اپنے نام کے ساتھ یہ لفظ لکھنے کا حق ہے۔
(۲) ورنگل کی پہلی مہم پر فوج کی بغاوت

۱۲۱۴ء مطابق ۱۲۱۴ء میں محمد جو نا اپنے باپ غیاث الدین تغلق کی طرف سے تلنگانہ کی ریاست
فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ شہزادہ نے دیوگیر کے راستہ سے جسکا بعد میں دولت آباد نام رکھا گیا حملہ کیا۔
راجہ غیاث الدین تغلق کی حکمرانی تسلیم کرنے پر راضی ہو گیا لیکن شہزادہ نے اسے منظور نہ کیا اور پایہ تخت
دارنگل کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاصرہ میں فوج میں بغاوت پھیل گئی جس کا سرکاری بیان ہم عصر مورخ
ضیاء الدین برنی نے ان الفاظ میں دیا ہے :-

”ایک ماہ سے زیادہ گزر گئے اور کوئی خط یا حکم دارا خلافہ سے نہیں آیا، اس سے پہلے سلطان
کو دو یا تین احکامات عموماً ہر ہفتہ میں ملا کرتے تھے، سلطان محمد اور اس کے رفقاء نے اس قطع رسل
در سائل کو کوئی اہمیت نہ دی، اس کی خبر فوج تک پہنچی نتیجہ یہ ہوا کہ ہر دستہ در سالہ میں تشویش اور
بد نظمی پیدا ہو گئی۔ عبید شاعر اور شیخ زادہ دشتی نے جو نہایت ہی کمینہ و بد بخت اور دروغ گو اشخاص تھے
اور جنھوں نے کسی ذریعہ سے سلطان محمد تک رسوخ حاصل کر لیا تھا، فوج میں یہ غلط افواہ پھیلا دی
کہ سلطان غیاث الدین تغلق کا انتقال ہو گیا ہے، سلطنت کے معاملات میں بد نظمی پھیلی ہوئی ہے،
کسی خاصے تخت پر قبضہ کر لیا ہے اور وہی سے رسل و رسائل کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، پھر کیا تھا ہر
شخص خود سر ہو گیا۔“

”انھیں دونوں کجمنوں نے ایک اور جھوٹی خبر اڑادی اور وہ یہ کہ ملک تملک ملک تملک،

ملک مل افغانی، اور ملک کافوران امراسے یہ کہا کہ سلطان محمد تھیں سلطنت کا دشمن سمجھتا ہے اور چونکہ
تم نے آپس میں سازش کر رکھی ہے، اس لئے تم باغی ہو اور تمھیں علحدہ کر دیا ہے، حالانکہ تم لوگ علاء الدین
خلجی کے عہد میں بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے اور اس کی فوج کے بڑے بڑے افسر تھیں تھے،
انھوں نے یہ بھی کہا کہ شہزادہ کا ارادہ ہے کہ تم سب کو ایک ہی دن گرفتار کر کے قتل کرادے۔ ان
امرانے ان دونوں غداروں کو شہزادہ کے بلوت و خلوت میں ہمیشہ ساتھ دیکھا تھا، ان کی باتوں کا
یقین کر لیا اور آپس میں مشورہ کر کے اپنی اپنی فوج ساتھ لیکر علحدہ ہو گئے، ان کی علحدگی سے تمام فوج
میں ایک عام اتہری پھیل گئی، ہندو، اسلامی فوج میں اس اختلاف کے متغیر میٹھے تھے، جنھوں نے تلنگانہ
جنیمون کو لوٹا اور واپس چلے آئے، سلطان محمد نے دیوگیر کا رخ کیا، راستہ میں ڈاک لالنے والے سے
جن سے غیاث الدین تغلق کی خیر و عافیت معلوم ہوئی اور یہ بھی تہہ چلا کہ وہ چاروں امرابا ہم برسر
پیکار ہیں، ان کی فوجوں نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور ان کے اسلحے اور گھوڑے ہندوؤں کے ہاتھ

لگ گئے ہیں، سلطان محمد صحیح و سالم دیوگیر پہنچا اور پھر ساری فوج اکٹھی ہو گئی۔ ملک تمل گوند واندہ جاگ
گیا اور وہیں مر گیا، ملک تمل گوند واندہ ہندوؤں کے ہاتھ سے مارا گیا جنھوں نے اس کی کھال سلطان محمد
کے پاس بھیج دی، ملک مل افغانی، عبید شاعر اور دوسرے بغاوت پھیلانے والے اشخاص سلطان محمد
کے پاس دیوگیر بھیجے گئے، جس نے ان کی بیوی بچوں کو پہلے سے گرفتار کر رکھا تھا، ان سب کو
اس نے اپنے باپ کے پاس بھیج دیا، سلطان غیاث الدین نے ایک عام دربار منعقد کر کے عبید شاعر،
ملک کافور اور دوسرے باغیوں کی زندہ کھالیں کھنچوائیں، اور ان کو سچ ان کے بیوی بچوں کے
ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا ڈالا، ان سراؤں سے دیکھنے والوں کے دل لرز گئے اور تمام شہر کانپ اٹھا
برنی کے اس بیان کی تائید جو محمد تغلق اور اس کے جانشین بروز تغلق کے دربار میں تھا
دیگر مورخین بدایونی اور فرشتہ نے بھی کی ہے، ان میں سے بعض نے کچھ اضافے بھی کئے ہیں،

جن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ محمد تغلق خود دہلی واپس آیا اور مجرموں کی سزا کے وقت موجود تھا۔
فرشتہ کا یہ بیان ہے کہ فوج میں ایک وہاں گئی تھی جو واقعات پیش آئے ان کا سارا الزام عبید اور
شیخ زادہ دشقی کے سر ہے جو ایک طرف سلطان غیاث الدین اور اپنے آقا محمد تغلق دونوں کے لئے غدار
ثابت ہوئے اور دوسری جانب امرائے فوج کو ورغلا یا، اس کا کچھ تپہ نہیں چلتا کہ ان سازشوں سے
آخر ان کا مقصد کیا تھا؟

ابن بطوطہ نے جو اس واقعہ سے بارہ برس بعد محمد تغلق کے زمانہ حکومت میں ہندوستان آیا، بالکل
اسی مختلف قصہ بیان کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ "جب غیاث الدین تغلق نے دارالخلافہ میں اپنا قدم جمالیسا تو
اپنے بیٹے کو تنگ کا علاقہ فتح کرنے کے لئے بھیجا، ہمراہ ایک کثیر فوج متدد امرا مثلاً ملک تمور، ملک تملین،
ملک کافور اور ملک بیرم وغیرہ کے کر دیا، جب محمد تغلق دہان پہنچا تو اس نے اپنے رفیق ملا عبید شاعر کو یہ حکم
دیا کہ فوج میں بہ خیر شہر کر دے کہ سلطان تغلق کا انتقال ہو گیا ہے تاکہ لوگ یہ سنا کر اس کی اطاعت قبول کر لیں
لیکن امیرون نے اس خبر کی تردید کی اور ہر ایک محمد تغلق سے بگڑ بیٹھا، امرائے اس کے
قتل کا ارادہ کیا لیکن ملک تمور نے ایسا کرنے سے روکا، محمد تغلق مع دس وفادار سواروں کے اپنے
باپ کے پاس بھاگ گئے چلا گیا، باپ نے مال و دولت اور تازہ فوج کو ساتھ کر کے اسے پھر واپس بھیجا، اور
جب اسے اس خبر کا علم ہوا تو اس نے ملا عبید کو قتل کر ڈالا اور حکم دیا کہ ملک کافور کو الٹا چنوا دیا جائے،
بیان تک کہ وہ مر جائے، بقیہ امرا سلطان شمس الدین بن سلطان ناصر الدین بن سلطان غیاث الدین
بہمن کے پاس بھاگ کر بنگال چلے گئے،

ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق باغی اور غدار خود محمد تغلق ثابت ہوتا ہے جس نے فوج کو
درغلا کر تخت حاصل کرنے کی کوشش کی اور اپنے کارپردازوں کو باپ کے ہدف انتقام کے لئے چھوڑ دیا،
اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ محمد تغلق خود کو شہنشاہ تسلیم کرانے میں ناکام ہو کر اپنے مؤدین یا

مخالفین سے پہلے پہل دہلی پہنچ گیا تھا، اور اپنے باپ کو فوج کی بنیاد کی اطلاع خود کی جسے بعد
میں برنی نے لیا، برنی محمد تغلق کے معائبے چشم پوشی نہیں کرتا، بلکہ انہیں کے ساتھ ساتھ وہ اس کے محض
اور اس کی مسلم قابلیت کا بھی ذکر کرتا ہے۔ ایک درباری سے بھلا یہ کب ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ ابن بطوطہ کی
طرح محمد تغلق کو باغی ثابت کرے، ابن بطوطہ ہر خوف و خطر سے آزاد تھا، کیونکہ اس نے اپنے سفر کے حالات
اس وقت شایع کئے جب وہ اپنے دور دست وطن میں پہنچ چکا تھا، ابن بطوطہ ایک

باریک بین اور دور اندیش شخص تھا، محمد تغلق کا ممنون احسان بھی تھا، پھر اس کے دامن اخلاق پر غلط
دھبہ لگانے کی اس کی نیت کبھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس پر زور دینے کی چندان ضرورت نہیں کہ برنی
کے بیان پر ابن بطوطہ کے بیان کو ترجیح دے اور یہ عام طور پر مسلم شدہ بھی ہے لیکن اس کے تسلیم کرنے میں دو
دقتیں رہ جاتی ہیں ایک یہ کہ غیاث الدین نے دوسری مہم کی کمان پھر اپنے بیٹے کے سپرد کیے کی دوسری
دقت یہ ہے کہ بنگال کی مہم میں دہلی سے غیر حاضری کے وقت اپنا قائم مقام محمد تغلق کو کیسے مقرر کیا؟

معلوم یہ ہوتا ہے کہ محمد تغلق نے اپنے باپ کو اپنے اس جرم سے تلنگانہ کی دوسری روانگی تک
بے خبر رکھا، ابن بطوطہ کے بیان سے یہ یقینی طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ محمد تغلق کا جرم اس کے دہلی چھوڑنے تک
ظاہر نہیں ہو سکا، برنی لکھتا ہے کہ "پھر چار ماہ کے بعد سلطان غیاث الدین نے سلطان محمد کو ایک کثیر
فوج کی کمان دیکر ونگل کی جانب بھیجا، یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ غیاث الدین
اپنے بیٹے کے جرم سے چار مہینہ تک بے خبر رہے، ممکن ہے کہ دوسری فوج کی روانگی اس مدت
سے پیشتر عمل میں آئی ہو جتنا برنی نے لکھا ہے اور غالباً دہلی سے دیو گری تک پہنچنے میں چار ماہ لگے ہوں،
دوسری دقت یعنی محمد جو نا کا تقرر اپنے باپ کی عدم موجودگی میں محض قائم مقام کی توجیہ

اس قدر آسان نہیں ہے، مسٹر تھامس اس کو غیاث الدین کی بوقوتی اور دیوانہ پن پر محمول
کرتے ہیں، لیکن غیاث الدین کے حالات زندگی میں اس قسم کی غلطیوں کا پتہ اور کہیں نہیں ملتا

ہمارا خیال یہ ہے کہ تلنگانہ کی شاندار فتح کی خوشی میں غیاث الدین نے محمد تغلق کے اس جرم کو معاف کر دیا ہو یا اس خیال سے کہ پایہ تخت کے وفادار اور افواج کے درمیان وہ کم خطرناک رہے گا بہ نسبت اس کے تلنگانہ میں تقریباً خود مختار فوجوں کی سرورگی میں رہے اسے دہلی بلا کر اپنا قائم مقام رکھا ہو، ان میں سے دوسرا کسی امکان سے قریب تر معلوم ہوتا ہے:

(۱۲) سلطان غیاث الدین کی بیٹی سے وجہ ناراضگی اور مؤخر الذکر پر باپ کی موت کی فہم لاری

جس وقت محمد جوہا دوسری ہم پر تلنگانہ میں تھا، اسکے باپ غیاث الدین سے بنگال کے حکمران نے امداد طلب کی، خاندان غلامان کے آخری چراغ منیر الدین کی قیادت کی کمزور حکومت کے زمانہ سے غیاث الدین بلبن کی اولاد بنگال میں خود مختار بن بیٹھی تھی، شمس الدین فیروز، غیاث الدین بلبن کے پوتے نے اپنے بیٹے غیاث الدین بہادر کو شرقی بنگال کا حاکم مقرر کیا اور خود شمس الدین ایک دوسرے بیٹے شہاب الدین بفر کو بنگال کی تخت نشینی کیلئے چھوڑ کر مر گیا۔ غیاث الدین بہادر (حاکم شرقی بنگال) نے اپنے بھائی کی حکومت تسلیم نہیں کی اور ۱۳۱۹ء میں اس کو شکست دیکر بار بنگال اپنے قبضہ میں کر لیا۔ شہاب الدین اپنے ایک دوسرے بھائی ناصر الدین کے ساتھ بھاگ کر دہلی چلا گیا اور غیاث الدین تغلق سے امداد چاہی، اس نے اس ہم کی سربراہی خود کرنے کا تصفیہ کیا اور اپنی عدم موجودگی میں دہلی کی حکومت کے لئے اپنے بیٹے محمد تغلق کو تلنگانہ سے بلا لیا،

اسی زمانہ میں نظام الدین اولیا دہلی میں موجود تھے۔ نظام الدین احمد مورخ، طبقات اکبری میں یہ لکھتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق اور ان کے تعلقات کچھ کشیدہ ہو گئے تھے لیکن وہ کوئی وجہ کشیدگی نہیں ظاہر کرتا۔ لیکن نظام الدین اولیا کے حالات زندگی میں جو اس نے اپنی تاریخ کے قلم پر لکھے ہیں، ان کے اختلاف کو تفصیل سے بیان کیا ہے، وہ کہتا ہے:-

”قطب الدین بہارک شاہ کے قتل کے بعد جب ناصر الدین خسرو دہلی کے تخت پر بیٹھا تو

اس نے نہایت فحشی کے ساتھ شاہی خزانہ کو لٹایا اور مذہبی عنصر کو ہتھوڑا بنانے کی غرض سے اس نے شاخین اور پیشوایان دین کو بھی شامل کر لیا، ان میں بعضوں نے لینے سے انکار کر دیا اور بعضوں نے بجز نظام الدین اولیا کے جو لینے سے انکار کرتے ہوئے ڈرتے تھے، بطور امانت رکھ چھوڑا اس خیال سے کہ اس کے بعد جب کوئی ذمہ دار حکمران آئیگا تو وہ اس زر و مال کا مطالبہ جو اس بیدردی سے لٹایا گیا ہے، ضرور کرے گا، غیاث الدین تغلق نے آخر ان کی امید کے موافق ان سے وہ رقمیں وصول کیں، تمام دیگر شیوخ نے جو کچھ لیا تھا، واپس کر دیا لیکن نظام الدین اولیا نے چونکہ اپنے حصہ کی رسم خرچ کر ڈالی تھی، سلطان کے مطالبہ کا کچھ جواب نہ دیا، غیاث الدین تغلق ان کی اس گستاخی سے بہت غصہ ہوا اور شیخ کے بعض دشمنوں کے کہنے پر انھیں ترپن علماء کی عدالت میں اس جرم پر طلب کیا کہ وہ خلاف قانون ناچ رنگ کی مغلین منعقد کرتے ہیں، انجام کار فیصلہ شیخ کے حق میں ہوا لیکن شیخ و سلطان کے تعلقات کچھ بہتر نہ ہو سکے۔

ابن بطوطہ یہ لکھتا ہے کہ محمد جوہا شیخ کا مرید تھا اور جب شیخ کو حال آتا تو اسی حالت میں وہ ان کے پاس جایا کرتا، کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ اس حالت میں شیخ کی زبان سے جو کلمات نکلتے ہیں وہ آئندہ سچ ثابت ہوتے ہیں، ایک موقع پر شیخ نے محمد تغلق سے یہ کہہ دیا، ”جاؤ ہم تم کو بادشاہت دیدیتے ہیں“ غالباً یہی وہ کلمات تھے جنکو سنکر سلطان غیاث الدین کا غصہ دوبالا ہو گیا۔ نظام الدین احمد نے طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ سلطان نے بنگال سے شیخ کے پاس کہلا بھیجا کہ اچھا واپس آکر سمجھ لو، شیخ نے اس کا یہ جواب دیا کہ ”ہنوز دنی دور است“ اور اس وقت سے یہ فقرہ ضرب المثل بن گیا، بالآخر یہ دھمکی سچ ہوئی اور سلطان کوئی انتقام نہ لے سکا،

ابن بطوطہ کے بیان کے لحاظ سے سلطان کی واپسی سے قبل شیخ کا انتقال ہو گیا اور محمد جوہا نے دوسرے بیانات کے مطابق شیخ نظام الدین اولیا، غیاث الدین تغلق کے ایک یاد دہاؤ بدھ بنے نہ رہے، اور سلطان کی وجہ ناخوشی اس کے بیٹے اور شیخ کے عام تعلقات کی بنا پر تھی۔

نے ان کے جنازہ میں شرکت کی۔ غیاث الدین نے جب اپنے معنوب کی اس عزت و احترام کا حال سنا تو اس نے اپنے بیٹے کو ایک خط لکھا جس میں ولیمہ دی سے محروم کر دینے کی دھمکی دی، تیزیہ الزام دیا کہ اس کی ان حرکات سے اسکی وفاداری پر دھبہ آتا ہے، اس موقع پر مختلف نجو میوں نے پیشینگوئی کی کہ سلطان دہلی لوٹ کر کسی نہ آئیگا لیکن غیاث الدین نے جو اس ہمہ بین کامیاب رہا، یہ منکران سے انتقام لینے کیلئے تیزی سے روانہ ہوا۔

محمد جوئے نے جب اپنے باپ کی واپسی کی خبر سنی تو اس کے خیر مقدم کا خاص اہتمام کیا۔ اس نے تغلق آباد (دہلی کا دوسرا نام ہے) سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر لکڑی کا ایک خیمہ نصب کیا، تمام مورخین نے اس مقام کا نام جہان یہ خیمہ نصب کیا گیا، افغان پور لکھا ہے لیکن آج کل تغلق آباد کے قریب کوئی مقام اس نام کا نہیں ہے، میرا خیال یہ ہے کہ خیمہ، اغوان پور میں نصب کیا گیا ہوگا جو تغلق آباد سے ۵ میل پر ایک گاؤں پر ممکن ہے کہ موجودہ نام، افغان پور کی بگڑی ہوئی صورت ہو یا مسلمان مورخین نے ہندی نام کو بدل کر یہ بنالیا ہو جیسا وہ بعض اوقات کرتے ہیں،

بہر حال بیٹے نے سلطان کا خیر مقدم اس خیمہ میں ادا کیا، جو بعد میں اس پر گر پڑا اور سلطان وہیں دب کر مر گیا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا خیمہ اتفاق سے گر پڑا یا عمدہ گرایا گیا، اور محمد تغلق پر باپ کی موت کی ذمہ داری کہاں تک ہے، اس کے لئے مختلف مورخین کے بیانات سننے چاہئیں، برنی جو محمد تغلق کو اپنے باپ کے قتل سے متہم کر نیکی کوشش نہیں کر سکتا، یہ لکھتا ہے:-

”جب سلطان محمد نے سنا کہ سلطان تغلق دار الخلافہ تغلق آباد کو واپس آ رہا ہے تو اس نے حکم دیا کہ افغان پور میں ایک چھوٹا سا خیمہ بنایا جائے تاکہ سلطان رات وہیں بسر کر کے صبح تغلق آباد میں شاہی جلوس کے ساتھ داخل ہو شہر میں اس کے لئے بڑی بڑی تیاریاں کی گئیں، سلطان محمد مع امرا اور اعیان سلطنت اپنے باپ کے مرنے کیلئے آگے بڑھا اور رسم قدمبوسی بجالایا، اس وقت

جبکہ سلطان کا کھانا چنا چار ہاتھا اور امرا دارالکین ہاتھ دھونے کیلئے باہر گئے ہوئے تھے، ایک ایسی آفت نازل ہوئی جیسے کوئی بجلی آسمان سے مخلوق زمین پر گرے، جس چوتروہ پر سلطان تغلق بیٹھا ہوا تھا، اس کی چھت یکایک گری اور سلطان مع پانچ یا چھ اشخاص کے چھت کے نیچے دب کر مر گیا، ایلٹ، ڈاؤسن اور رینکنگ نے بجلی کو فلفلی معنی میں لیا ہے اور ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ آسمان سے ایک بجلی زمین پر گری اور جس چھت کے نیچے سلطان بیٹھا ہوا تھا، وہ گر پڑی جس سے وہ اور پانچ یا چھ دوسرے اشخاص دب کر مر گئے،

یہ ترجمہ کی غلطی ہے، اگر برنی کو یہ کہنا مقصود ہوتا کہ خیمہ پر بجلی گر پڑی تو وہ صاعقہ بلا آسمانی کی بجائے بلا سے صاعقہ آسمانی، لکھتا، اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صاعقہ، کا لفظ اس نے استعارہ استعمال کیا ہے،

بعد کے مورخین جو برنی کے پتہ کے کسی طرح نہیں ہو سکتے، تاہم ان کے بیانات پڑھنے کے قابل ہیں، نظام الدین احمد نے طبقات اکبری میں اس طرح لکھا ہے:-

”جب الغ خان (محمد جوئے) نے اپنے باپ کی واپسی سنی تو اس نے افغان پور کے قریب ایک خیمہ بنوایا تاکہ سلطان جب آئے تو رات یہیں بسر کرے اور صبح کو جب شہر آراستہ پیراستہ ہو جائے اور شاہی استقبال کیلئے تمام ضروری سامان مکمل ہو جائیں تو وہ شہر میں داخل ہو جب سلطان خیمہ کے قریب پہنچا تو تغلق آباد میں خوشیاں منائی جا رہی تھیں، الغ خان مع امرا و مسائے شہر اس کے استقبال کے لئے نکلا، سلطان تغلق شاہ خیمہ میں بیٹھا اور خاص خاص کھانے اس کے لئے لاؤ گئے کھانا جب ختم ہو چکا تو لوگ ہاتھ دھو کر باہر نکل آئے لیکن سلطان ہاتھ دھونے کی غرض سے اندر ہی رہ گیا، اتنے میں چھت گری اور سلطان اس کے نیچے دب کر مر گیا، اس کی مدت حکومت چار سال اور کچھ ماہ ہے،

بعض تاریخون میں یہ مذکور ہے کہ خیمہ چونکہ تازہ بنا ہوا تھا اور لوگوں نے اس کے گرد ہاتھی دوڑا (جو سلطان اپنے ہمراہ بنگال سے لایا تھا) جس سے زمین دہل اٹھی اور چھت گر پڑی، دور اندیش طبائع سے یہ مخفی نہیں رہ سکتا کہ ایسے خیمہ کی تعمیر سے جس کی اتنی کوئی ضرورت نہ تھی، قدر شاہ شہبہ پیدا ہوتا ہے کہ انغ خان نے اپنے باپ کی موت کی پیش بندی کر رکھی تھی، یہ بھی ظاہر ہے کہ مصنف طبقات فیروز شاہی (برنی) نے چونکہ اپنی تصنیف سلطان فیروز کے عہد میں لکھی جو سلطان محمد کا بہت ہی احترام کرتا تھا، اس لئے اس نے فیروز کے خیال سے اس واقعہ کو ظاہر کرنے سے گریز کیا ہوگا۔ بہر حال میں نے یہ واقعہ اکثر معتبر اشخاص کی زبانی سنا ہے۔

نظام الدین احمد اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہوئے اس دھمکی کا بھی ذکر کرتا ہے جو سلطان نے شیخ کو بنگال سے دی تھی اور پھر شیخ کا جواب بھی لکھتا ہے، بدایونی نے اس واقعہ کو اس طرح نقل کیا ہے:-

”سلطان تغلق شاہ اپنے ہمراہ بہادر شاہ (حاکم بنگال) کو لیکر دہلی منصور و فتح مند لوٹا۔ انغ خان نے اس خبر کے سنتے ہی حکم دیا کہ فوراً افغان پور کے قریب ایک بلند عمدہ محل تیار کیا جائے، ہمیں دن میں یہ بکریاں ہوگی، تاکہ سلطان پہلے ہمیں اترے اور رات آرام سے گزار کر تیزک و احتشام کے ساتھ پھر تغلق آباد میں داخل ہو۔

”سلطان وہاں پہنچا اور انغ خان مع امرا اور روسا کے اس سے ملنے کو گیا، اس کے استقبال میں اس نے ایک دعوت بھی کی، سلطان نے حکم دیا کہ ہاتھیوں کی ایک دوڑ کرائی جائے اور چونکہ محل کی بنیاد ابھی تازہ پڑی تھی، ہاتھیوں کے دھماکے سے متزلزل ہونے لگی، یہ دیکھ کر سلطان اٹھ رہا، لوگ بغیر ہاتھ دھوئے نیچے سے باہر نکل آئے، سلطان تغلق شاہ ہاتھ دھوتا ہی رہا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا اور محل اس کے اوپر گر پڑا،

”ہم کو اس واقعہ سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہئے کہ ایسے محل بنوانے سے جو بالکل غیر ضروری تھا یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ انغ خان نے اسے بلا نیاد کے بنوایا ہو جیسا کہ اکثر بیان کیا جاتا ہے، لیکن مصنف تاریخ فیروز شاہی، اس کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا ہے اس نے شاید فیروز کی خوشامد اور اس کے لحاظ کی وجہ سے ایسا کیا ہو۔“

بدایونی نے بھی بادشاہ کی دھمکی اور شیخ کے جواب کا ذکر کیا ہے، فرشتہ اس مسئلہ پر اس طرح بحث کرتا ہے:-

”جب انغ خان نے سنا کہ اس کا باپ واپس آ رہا ہے تو اس نے افغان پور کے قریب ایک خیمہ بنوایا تاکہ سلطان جب پہنچے تو رات وہیں گزارے اور صبح کو جب شہر آراستہ پیراستہ ہو جائے اور شاہانہ خیر مقدم کی تیاریاں مکمل ہو جائیں تو وہ شان کے ساتھ شہر میں داخل ہو، سلطان وہاں پہنچ کر اترے اور تغلق آباد میں ہر طرح کی خوشیاں منائی جا رہی تھیں، دوسرے دن صبح کو انغ خان اور دیگر امرا کو سلطان نے شرف دست بوسی بخشا، اور اس کے بعد تمام لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھا، جب دسترخوان اٹھایا جا رہا تھا اور لوگوں نے یہ سمجھا کہ بادشاہ اٹھنے کو ہے، وہ بلا ہاتھ دھوئے باہر نکل آئے، انغ خان جس کی موت کی گھڑی ابھی نہیں آئی تھی، اس غرض سے باہر نکلا کہ گھوڑوں اور ہاتھیوں کی صف آرائی کرے، اس عرصہ میں چھت گری اور سلطان نے مع پانچ اشخاص کے خدائے تعالیٰ کی آغوش رحمت میں جگہ پائی،

”بعض تاریخون میں یہ لکھا ہے کہ خیمہ چونکہ تازہ بنا ہوا تھا، ہاتھیوں کے دھماکے سے گر پڑا، اور بعض مورخون نے یہ کہا ہے کہ ایسے خیمہ کی تعمیر جو غیر ضروری تھا، یہ شبہ پیدا کرتی ہے کہ انغ خان نے اپنے باپ کی موت کے لئے پہلے ہی سے یہ تدبیریں کر لی تھیں، ضیاء برنی نے جس نے اپنی تاریخ فیروز کے عہد میں لکھی، سلطان کے خوف سے اظہار حقیقت سے پہلو تہی کی، لیکن دانشمند اصحاب

پریہ امر واضح ہو کہ یہ بیان سراسر خلافت عقل ہے، کیونکہ ان خان اپنے باپ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا، اس معجزہ کی اسے کہاں طاقت کہ خیمہ عین اس وقت گرے جب وہ باہر نکلے، اس سب سے پر لطف قصہ صدر جہان گجراتی کا ہے، اس نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ان خان نے ایک ظلم کے ذریعہ سے خیمہ بنایا تھا، چنانچہ جب وقت ظلم ٹوٹا، فوراً چھت گر پڑی، حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں یہ بیان کیا ہے کہ جب سلطان ہاتھ دھونے میں مصروف تھا، ایک بجلی آسمان سے نازل ہوئی اور چھت پھا کر اس کے سر پر گری، یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے لیکن صحیح واقعہ کی خبر خدا ہی کو ہے۔

ان بیانات میں چھوٹے چھوٹے اختلافات چندان قابل لحاظ نہیں، فرشتہ کا اشارہ بعض مؤرخین سے نظام الدین احمد پر ایک مخفی حملہ ہے کیونکہ اس کی یہ عادت ہے کہ جس ہانڈی میں کھاتا ہے اسی میں چھید کرتا ہے، حاجی محمد قندھاری کا بیان غالباً برنی کے لفظ کی غلط فہمی کی بنا پر ہے، فرشتہ کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ محمد جونا کی مدافعت کر رہا ہے لیکن ابن بطوطہ کے بیان سے جو عینی شہادت پر مبنی ہے ساری حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے، وہ کہتا ہے کہ عمارت زیادہ تر لکڑی کی بنی تھی اور لکڑی ہی کی بنیاد پر قائم بھی تھی، مشہور ملک زادہ اور احمد بن ایاز (خواجہ جہان) کی نگرانی میں تیار ہوئی تھی، ابن بطوطہ نے عمارت کی اصلیت یہ بیان کی ہے، اس عمارت کی تعمیر میں جو راز مضمر تھا وہ یہ کہ اسکی ساخت اس طریقہ پر تھی کہ جب ہاتھی اس کے کسی جانب سے گزریں تو وہ فوراً گر جائے۔ مورخ مذکور نے اس سازش کی تفصیل سے بحث نہیں کی لیکن اس کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صدر جہان کا سارا ظلم یہ تھا کہ بنیاد سے ایک شہ تیرا لگا لگایا تھا کہ ہاتھی کے گزرتے ہی وہ اپنی جگہ سے کھسک جائے اور ساری عمارت گر پڑے، ابن بطوطہ اس واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

سلطان کا عزیز بیٹا محمود دونوں اس کے ساتھ تھے، محمد نے اگر تیغ سے کہا کہ اب شام ہو گئی ہے، چلئے آرام کیجئے، تیغ اتر آئے اور ہاتھی خیمہ کے ایک جانب لائے گئے، ان کے آتے ہی خیمہ سلطان اور اس کے بیٹے محمود پر گر پڑا تیغ نے یہ نتیجہ سے کہا کہ میں یہ آواز سن کر ٹوٹا اور کیا دیکھتا ہوں کہ خیمہ سلطان کے اوپر گر پڑا ہے، شہزادے نے حکم دیا کہ کلہاڑیاں اور پھاوڑے لاکر اسے نکالیں، لوگ غروب آفتاب کے وقت لائے اور کھودا، سلطان اپنے بیٹے محمود کے اوپر اس طرح لپٹا ہوا پایا گیا گویا اسے بچا رہا تھا، بعض یہ کہتے ہیں کہ سلطان جب کھود کر نکالا گیا تو مر چکا تھا، اور بعض کا یہ بیان ہے کہ وہ زندہ تھا، اس کے بیٹے محمد نے اس کے دفن کرنے کا سامان کیا اور ات ہی کے وقت وہ تعلق آباد سے باہر اس قبر میں جسے اس نے اپنے لئے بنوا رکھی تھی دفن کیا گیا..... اس سازش کی بنا پر جو امیر خواجہ جہان (احمد بن ایاز) نے اس عمارت کی تعمیر میں کی تھی، وہ سلطان محمد تعلق کا محبوب نظر بن گیا اور سب سے بڑے عہدہ پر مامور کیا گیا۔

ابن بطوطہ کا غیر جانبدارانہ بیان فیصلہ قطعی ہے، یہ ایک ایسے شخص کی شہادت پر مبنی ہے جو خود موقع پر موجود تھا، ہاتھیوں کی صف آرائی خود محمد جونا کی تجویز سے عمل میں آئی جس کے سبب سے یہ بلا نازل ہوئی اور احمد بن ایاز کا جو غیاث الدین تعلق کے عہد میں ایک معمولی نگران عمارت تھا، محمد تعلق کی تخت نشینی پر یکایک وزیر سلطنت کے عہدہ پر پہنچا سلسلہ شہادت کی تکمیل کر دیتا ہے۔

”سلطان خیمہ میں اترے، امرا و اعیان سلطنت دعوت کھا کر منتشر ہو گئے، محمد نے اپنے باپ سے ہاتھیوں کو صفت آرا کرنے کی اجازت چاہی اور وہ راضی ہو گیا، شیخ رکن الدین نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ اور

تَلخیصِ سادجی

سلمان سادجی

خاک ایران کے ان علی فرزندوں میں سے جنہوں نے تعلیمِ فنیض پاکر اپنی زندگی کا بڑا فرض اپنے بزرگوں کی معنوی دولت کی حفاظت اور ترقی قرار دیا ہے، ایک سرزاد عبدلہ شہزاد عبدالغفار تبریزی ہیں، میرزا موصوف روسی زبان میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں اور اپنی عمر کا بڑا حصہ روسی تعلیم گاہوں میں صرف کیا ہے، جنگ سے پہلے وہ ماسکو کے مدرسہ السنہ شرقیہ میں پروفیسر تھے، انقلابِ روس کے بعد وہ آسٹریا چلے آئے اور اب تک وہیں مقیم ہیں، موصوف نے ایران شہرِ برلن (مصر) میں سلمان سادجی پر ایک مختصر مضمون لکھا ہے جس کی ہم ذیل میں تلخیص کرتے ہیں،

آٹھویں صدی ہجری میں خاکِ پاک ایران سے جو نامور شعراء پیدا ہوئے ان کے سرخیل یقیناً خواجہ حافظ شیرازی ہیں، لیکن حافظ کے بعد جس کا نام لیا جاسکتا ہے وہ سلمان سادجی ہیں، سلمان کی ولادت کا سال ۹۲۲ھ اور وفات کا ۹۷۸ھ ہے، سلمان کی غزل سرائی کی عمر خواجہ حافظ کی شیریں نوائی کی عمر سے دس سال بڑی ہے، مشرقی ایران کی بزمِ سخن شاہان آل مظفر کی سرپرستی میں حافظ کے دم سے روشن تھی، آئینہ عالمی مغربی ایران کا گلشنِ سخن جلالری سلاطین کی باغبانی میں سلمان سادجی کے نغمہ ترنم سے معمور تھا، آل مظفر کا پایہ تخت شیراز تھا اور جلالری خاندان کا بھرپور خواجہ حافظ شیرازی ہیں چمک رہے تھے، اور سلمان تبریزی ہیں،

باد جو داس کامل ہم سری اور ہم سری کے یہ واقعہ تعجب انگیز ہے کہ حافظ کا دیوان آج بچہ بچہ کے ہاتھ میں ہے، لیکن سلمان کا دیوان بڑے بوڑھوں کی نفل میں بھی نظر نہیں آتا، دنیا میں فارسی ادبیات کا کوئی اہل ذوق ایسا نہ ہوگا جو حافظ سے آشنا ہو، دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے دیوان کے تراجم موجود ہیں، دنیا سے قدن کے ہر گوشہ میں ان کے دیوان کے اعلیٰ و ادنیٰ سینکڑوں اڈیشن شائع ہو چکے ہیں، مگر سلمان کا دیوان اب تک فراموشی کے طاق پر گرد آلود پڑا ہے، یہاں تک کہ خود ایران میں بھی اس کا کوئی کامل نسخہ چھپ کر شائع نہیں ہوا ہے، اس سوال کا جواب مشہور جرمن شاعر گوٹے (GOUTHE) نے ایرانی شعراء کی مدح و ستائش کی تقریب میں جو الفاط کہے ہیں ان سے ممکن ہے، وہ کہتا ہے :-

”اہل ایران نے اپنے قدیم شعراء میں سے صرف سات ناموروں کو چن لیا ہے، چنگا باقی ماندہ اشخاص میں بہت سے ایسے شعراء ہیں جو مجھ سے میرا تب بہتر ہیں“

ماسکو کے مدرسہ السنہ مشرقیہ لازاروف میں، سلمان کے کلیات کا ایک قلمی نسخہ (نمبر ۶۷۷۸) نہایت عمدہ اور نہایت نادر موجود ہے، اس کی سب سے بڑی ندرت اور قیمت یہ ہے کہ یہ سلمان کے ان تمام نسخوں سے سب سے زیادہ مکمل ہے، جو یورپ کے مختلف مشرقی کتب خانوں میں ہیں، اور جو ان کی فہرستوں میں مذکور ہے، افسوس ہے کہ اس نسخہ پر کتابت کی تاریخ درج نہیں، مگر خط سے انداز ہوتا ہے کہ یہ تیموری سلطنت کے اواخر عہد میں بلکہ سلطنت صفویہ کے اوائل میں لکھا گیا ہے، اس فرض کی بنا پر یہ نسخہ سلمان کے ڈیڑھ سو برس کے بعد تکمیل پایا ہے، ماسکو کے مدرسہ السنہ مشرقیہ کے کن بچہ میں ایک نسخہ بھی کا چھپا ہوا ہے، اس نسخہ پر بھی تاریخ درج نہیں ہے، لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ۱۸۹۹ء میں چھپا ہے، گو کہ یہ کلیات کے نام سے چھپا ہے، لیکن یہ بالکل نامکمل ہے، ۱۹۱۲ء میں، خاکسار نے سلمان کی پہلی مین غزلین اسی قلمی نسخہ سے نقل کر کے اور مذکورہ

مطبوعہ نسخہ سے مطابقت کر کے دوسری ترجمہ کے ساتھ "الشرقیات" کے مجموعہ میں چھپوایا تھا، یہ مجموعہ مشہور روسی مستشرق الگسی دیے لودسکی (WEASOLOESKY) کی سی سالہ جشن پر و فیسیری کی تحریک

میں پر و فیسیر موصوف کے دوستوں اور شاگردوں نے ترتیب دیا تھا۔

اس کے بعد اسی قلمی نسخہ سے لیکر "جمشید و خورشید" کی داستان کی نقل کر کے چھپوانیکا مصمم ارادہ تھا کہ یہ محسوس جنگ شروع ہوگئی، اور اس کے بعد روس میں ایسے انقلابات پیش آئے کہ یہ تمنا پوری نہ ہو سکی، سلمان نے داستان مذکور کو اس خوبی سے نظم کیا کہ اگر یہ ذوق شناسان سخن کے پاس نہ پہنچے تو یہ سلمان کی روح پر ظلم ہوگا۔

خط منہی کے اکتشاف کی تاریخ

ایران کی قدیم عمارتوں پر سنیکردون سنگی کتبے اور نوشتے ایک خاص خط میں منقوش ہیں جس کو اب خط منہی کہتے ہیں، کہ ان کی ظاہری شکل منہج اور کیل سے مشابہ ہے، یہ قدیم خط ہمیشہ سے معما تھا یہاں تک کہ اونیسیویں صدی کے دوسرے سال میں یہ یورپ کے مستشرقین اور سیاحوں کی مدد سے کوششوں اور محنتوں سے حل ہوا، اور ان کو پڑھ کر قدیم ایران کی مردہ تاریخ کے بہت سے واقعات زندہ ہوئے، اور بہت سے گذشتہ بادشاہوں کے نام جو یونانی تلفظ میں کچھ سے کچھ ہو گئے تھے ان کی تصحیح ہوئی،

اس خط کے اکتشاف اور حل کی تاریخ ہم کو اس لئے پڑھنا چاہئے تاکہ ہم کو مستشرقین کی ان محنتوں اور کاوشوں کا اندازہ ہو جو وہ علم کے شوق میں غیر قوموں اور بیرونی ملکوں کی تاریخ کے احیاء میں کر رہے ہیں، سب سے پہلا کاغذ نام ایک یورپین سیاح ایران نے ۱۷۶۰ء میں اس خط کا نام "خط منہی" تجویز کیا، ۱۷۶۰ء میں ایک اور یورپین سیاح یویرین کی معیت میں اس نے آخر

کے کتبہ کو نقل کیا، اس کے بعد ۱۷۶۰ء میں جرمن سیاح نیوبر (WEIBUHR) نے عرب اور ایران کی سیاحت کی اور ان کتبوں کی متعدد نقلیں حاصل کیں جو مدت تک مستشرقین کے ہاتھوں میں اس خط کے متعلق تنہا سرمایہ معلومات رہیں،

۱۷۶۰ء میں سب سے پہلی دفعہ اس خط کے چند الفاظ پڑھے گئے، اس دریافت کا فخر جرمنی کے ایک مستشرق سیاح گروٹنفنڈ (Grotenfend) کو حاصل ہوا، اس نے دو تین لفظ پڑھے، اور ان کی مدد سے اس خط کی الف با کے چند حروف متعین کئے، ۱۷۶۰ء میں کوہ لونڈا اور دان میں کچھ کتبے پائے گئے، ۱۷۶۰ء میں ریچ (Rich) نے اپنا سفر نامہ ایران شائع کیا، ۱۷۶۰ء میں وٹزگارڈ ایک ڈنمارکی سیاح نے تخت رستم کے کتبوں کی نقل لی، اس کے بعد انگریز مستشرق رالسنسن (Rawlenson) نے ۱۷۶۰ء میں مہینوں کے کتبوں کے چربے لئے ۱۷۶۰ء

میں فرانس کی حکومت نے اپنے تین سیاح مہند لون کو ایران بھیجا جن کے نام یہ تھے، پاسکال دی کوست (Pascal de Coste) مکرے (Meciere) اور فلانڈین (Melandin) ان لوگوں نے اکثر منہی خطوط کے عکس لئے، اور ایک مفید سفر نامہ لکھ کر فرانس واپس آئے، لیکن جو شخص خط منہی کی تمام اور کامل نقلیں یورپ میں لایا وہ جرمن سیاح سنوٹزے (Stolte) ہے، اس نے ۱۷۶۰ء میں چودہ سو سے زیادہ کتبوں کی نقلیں لیں، اور جرمنی واپس آکر پر و فیسیر نوڈیکے اور پر و فیسیر انڈرسے کی مدد سے خط منہی کی تحقیق میں ایک بہترین کتاب لکھ کر شائع کی،

اس کے بعد شخصی اور مختلف علمی وفود کی کوششیں اس خط کی تحقیق میں صرف ہوتی رہیں، انگریز عالم رالسنسن نے ۱۷۶۰ء میں مہینوں کے کتبے کے دو جملہ کا ترجمہ کر کے لندن کی ایشیاٹک سوسٹی کے رسالہ میں چھپوایا، اور اس کے چند سال بعد ۱۷۶۰ء میں دو اور حروف پڑھ کر اس خط کے متعلق اپنی یادداشت شائع کی،

اس خط کی الف بائیں حروف تہجی کی ترتیب تعیین اور تحقیق میں علمائے یورپ کے پورے پچاس سال صرف ہوئے اور تب جا کر بڑے جھگڑوں مناقشوں اور مباحثوں کے بعد بالآخر ایک الف بائیں ہوئی، اور اس کی پوری شکلین ترتیب کو پہنچان، ذیل کی جدول میں ان حروف کے دریا کثندون کے نام مع قومیت اور سال دریافت ہم درج کرتے ہیں،

نام	قومیت	کتنے حروف پڑے	سال دریافت
ٹینجن	جرمن	۴	۱۷۹۸ء
ہنر	جرمن	۲	۱۸۰۰ء
گروٹفند	جرمن	۱۲	۱۸۰۳ء تا ۱۸۱۵ء
سینٹ مارٹن	فرینچ	۲	۱۸۲۳ء
راسک	ڈنمارکی	۲	۱۸۳۶ء
بورنوت	فرینچ	۴	۱۸۳۶ء تا ۱۸۳۷ء
لاس	ناروی	۶	۱۸۴۶ء
ٹراکے	بلجیجی	۲	۱۸۴۸ء
رائنسن	انگریز	۵	۱۸۴۸ء تا ۱۸۴۹ء
ہولٹزمان	جرمن	۱	۱۸۴۶ء
ادپریت	فرینچ	۶	۱۸۴۸ء تا ۱۸۴۹ء

ان ۲۴ حروف کے علاوہ آٹھ حروف ایسے بھی ہیں جو اب تک پڑے نہیں گئے ہیں جن کو ملا کر خط تہجی کے کل ۵۲ حروف ہوتے ہیں۔

اختر علیہ

ریاستہائے امریکہ کی حکومت نے یہ قانون نافذ کیا ہے کہ جب تک کتابوں پر ان کے چھپنے کا ملک نہ لکھا ہو گا وہ امریکہ کی حدود میں نہ داخل ہو سکیگی، کنڈا نے بھی اس کی تقلید کی ہے،

مسترائس، پرسی اسمتھ کی موت، عالم تاریخ کا حادثہ عظیم ہے، وہ مسوری قوم کی تاریخ، روایات، مذہب، اور تمام دوسری خصوصیات کے لئے سند تھے، انھوں نے چالیس سال تک نیویارک میں اسی قبیلہ کے ساتھ گزارے تھے، ۱۸۱۹ء میں وہاں سے واپس آکر اسی قوم کے متعلق مضامین و رسائل لکھا کرتے تھے، حال ہی میں ان کی کتاب کا جو انھوں نے اس قوم کی تاریخ پر لکھی ہے جو تھا اڈیشن شائع ہوا ہے۔

ابن سکویہ کی تجارب الامم سات جلدوں میں ہے، زمانہ ہواڈی، گیوجی نے لیڈن سے اس کی چھٹی جلد شائع کی تھی، اب پروفیسر مارگولیس نے ساتوں جلدوں کو مع ترجمہ کے شائع کیا ہے، اسے ایچ، الین، امرودز بھی پروفیسر موصوف کے شریک کار تھے، لیکن عمر نے وفات کی، اور پروفیسر موصوف کو تنہا اس کو تکمیل تک پہنچانا پڑا، ساتوں جلدوں کی قیمت، پونڈ سات شلنگ ہے۔

موسیو منہری برکے زیر ادارت لی ایوڈیویشن ڈی لی ہیومنات، (ارتقاء انسانی) پر جو جلدوں میں اس موضوع کی دائرۃ المعارف لکھی جائیگی، حال میں اس کی چوتھی جلد پیرس سے

شائع ہوئی ہے۔ اس سلسلہ کی وسعت، ضخامت اور ہمہ گیری کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ چوتھی جلد ۴۵۰ طویل صفحوں پر مشتمل ہے اور جن اہم کتابوں سے مدد لی گئی ہے ان کی تعداد ۲۲ تک پہنچتی ہے۔

اکتوبر میں آکسفورڈ یونیورسٹی کے تاریخ قدیم کے کیمپڈن پروفیسر شپ کی سہ صدی رسم ادا کی گئی اور اس شبہ کے چھ پروفیسروں کو اس تقریب پر ڈاکٹریٹ لیٹرس کی اعزازی ڈگریاں دی گئیں۔

دائیں یونیورسٹی کا ہال ۱۹۱۲ء سے مرمت نہ ہو سکا اور اب باطل کام کے لائق نہیں ہے، بخت اقوام کی تباہی کا اس سے زیادہ دردناک کوئی منظر نہیں ہو سکتا۔

۱۵ جنوری ۱۹۲۰ء کو قاہرہ میں، برطانوی باشندوں کے بچوں کیلئے ایک اسکول کھولا گیا تھا اور اس امید پر کہ دو سال میں اسکول خود اپنا کفیل ہو جائیگا، حکومت برطانیہ سے صرف اس قلیل میعاد کے لئے ۴۰۰ پونڈ سالانہ لیا گیا تھا، لیکن وہ اسکول اب تک اس قابل نہیں ہوا ہے اور منتظمین نے امداد کیلئے پھر درخواست دی ہے۔

سہ اکتوبر کو پروفیسر جارج سینٹری کی، دین سالگرہ منائی گئی اور اس موقع پر ان کے احباب اور شاگردوں نے ان کو اڈریس پیش کئے۔

ریاستہائے امریکہ کی حکومت نے بیس ہزار ڈالر کا انعام اس شخص کے لئے مقرر کیا ہے۔

جو اخلاقی تعلیم کیلئے بہترین اصول پر ایک کتاب لکھ سکے۔

انگلستان کے انقلاب و زرات کے ساتھ تعلیمی وزارت بھی بدل گئی ہے، اور اب مسٹر فشر کی بجائے مسٹر ڈوڈ، بورڈ آف ایجوکیشن (مجلس تعلیم) کے صدر ہیں۔

فرانسیسی طیارچی مسٹر الکزنڈر منی رول نے ڈیلی میل کا ایک ہزار پونڈ کا انعام پر واز حاصل کیا ہے۔

گزشتہ اکتوبر کی ۱۷ کو سب سے بڑے شہاب ثاقب کو دیکھا گیا، جسامت اور بعد مسافت کے لحاظ سے اب تک کوئی اسکا ثانی نہیں پایا گیا تھا۔

مسٹر جی، ایچ، سے ملوری نے جو گزشتہ مئی کے مہم ایورسٹ کے رہنما تھے ایک تقریر کے دوران میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ اکیسویں کے بغیر کھوکھلے ہو سکتے ہیں، گزشتہ مہم میں وہ ۲۶۸۰۰ فٹ تک پہنچ گئے تھے۔

برطانیہ کا معمر ترین امیر البحر سر الکزنڈر ڈی ہورس ۹۵ سال کی عمر میں مراۃ ۱۹۲۱ء میں فوت ہوئے تھے اور ۱۹۹۲ء تک مختلف فرائض انجام دینے کے بعد ملازمت سے الگ ہوئے تھے۔

لندن کی گزشتہ مردم شماری کے اعداد کی رپورٹ حال میں شائع ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ لندن کی آبادی برابر گھٹ رہی ہے۔

۱۹۲۱ء میں ۲۵۳۶۲۶۷ تھے ۱۹۱۱ء میں ۲۵۲۱۶۸۵ ہوئی اور ۱۹۲۱ء میں ۲۴۸۲۵۲۲ رہ گئی ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ انگلستان کو لائے دینے والے حلقوں میں عورتوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ایک ملحقہ میں تو مردوں سے بھی زیادہ ہے۔

لندن اور اس کے ملحقہ کے اعداد و شمار میں ذیل کی چیز کے معلومات بھی دلچسپ ہیں،

مردوں میں :-

ناکھدا

۱۱۳۱۸۸۹

شادی شدہ

۸۶۵۳۰۰

جنگی بیویاں مرگئیں

۷۲۴۵۹

طلاق سے جدا شدہ

۱۹۳۱

اور عورتوں میں

ناکھدا

۱۳۰۹۸۲۸

شادی شدہ

۸۷۷۲۹۸

بیوہ

۲۲۳۶۱۵

طلاق یافتہ

۲۲۰۳

بیواؤں کی تعداد میں ۲۵۹۲۲ کا اضافہ ہے، ان میں سے ۱۱۰۰۰ سے زیادہ ۲۰ سے ۳۰

تک کے عمر کی ہیں اور شاید ایام جنگ کی بیوہ شدہ ہیں۔

لندن یونیورسٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ حکومت برطانیہ کی ایک ہزار زبانوں کے دولاکھ

گرامفونی ریکارڈز کے جائیں تاکہ طلباء اور محققین کو زبان کے مطالعہ و تعلیم میں سہولت ہو۔

حال میں لندن میں ایک گائے لائی گئی ہے جو سال میں تقریباً ۳۰۰ گیلن دودھ دیتی ہے، اس کو دن میں چار مرتبہ دوا جاتا ہے، چار سال قبل ۲۰۰ گیلن دودھ والی گائے آئی تھی، اب اس قسم کی ۵۰ گائیں برطانیہ میں ہیں۔

انگلستان کے مشہور مصور انریمل جان کو لیر نے ایک تصویر بنائی تھی جس میں دکھایا تھا کہ ایک شہزادی اپنے شوہر کو قتل کر کے گل رہی ہے، بلیک پول کی میونسپلٹی نے اسے اس بنا پر خریدنے سے انکار کر دیا کہ اس سے لوگوں کی اخلاقی حالت پر برا اثر پڑے گا، تصویر کی قیمت ۳۰ پونڈ ہے، مصور موصوف کا خیال ہے کہ اگر یہ اصول تسلیم کر لیا گیا تو تمام بہترین غمناک تصاویر کو فن تصویر کشی سے خارج کر دینا پڑے گا۔

مشہور نقاش مسٹر مکالم اسٹراس نے تمام دنیا کی سیاحت کے بعد ایک مضمون سن پر لکھا ہے، ان کا خیال ہے کہ کمال تناسب کا نام حسن ہے اور اس لحاظ سے صرف تین عورتیں ان کے معیار میں پوری ہوئیں۔

پروفیسر ہرس نے بجلی کے ذریعہ ثبوت زندگی کا طریقہ ایجاد کیا ہے، ان کا قول ہے کہ اگر ایک انڈے کے متعلق یہ معلوم کرنا ہو کہ اس میں جان پیدا ہو گئی ہے یا نہیں، تو چاہئے کہ بجلی کی لہر اس تک پہنچائے اور اگر اس سے بھی لہر پیدا ہو تو سمجھیں کہ اس میں جان پیدا ہو گئی ہے اسی طرح بیجوں کے متعلق بھی فیصلہ ہو سکتا ہے کہ وہ قابل نہو ہیں یا نہیں۔

چار بڑے بڑے مینارے بنائے گئے ہیں اور اس میں میں میں فٹ کے ٹکے لگے ہوئے ہیں، میناروں کے زیرین حصہ میں آگ سلگائی جاتی ہے اور یہ ٹکے اس کی حرارت کو تمام باغ میں پھیلا دیتے ہیں اور اس طرح ہوا گرم ہو کر برت اور گھرے کی صورت میں باغ میں نہیں گرنے پاتی۔

کیمبرج یونیورسٹی نے انسائیکلو پیڈیا برطانیہ کی تین نئی جلدیں شائع کی ہیں، جو تین گزشتہ ٹکڑوں کی جنگ کی نئی ایجادات و اصطلاحات پر مشتمل ہیں۔

پال مال گلوپ رادی ہر کہ مصر میں تباہی کی کاشت گزشتہ صدی کے اواخر تک بکثرت ہوتی تھی، لیکن برطانی قبضہ کے بعد ہی حکومت نے اس کو قانوناً روک دیا، اور اس پر اس قدر جاری محصول لگا دیا کہ لوگ اس کی تجارت سے آہستہ آہستہ دست کش ہونے لگے، لیکن اب تبدیل حکومت کے بعد پھر مصری سلطنت اور اپنی توجہ بڑھا رہی ہے، اور دوبارہ اس مسئلہ پر غور کر رہی ہے کہ آیا اس کی کاشت پھر اپنی پہلی رونق پر آسکتی ہے یا نہیں، اور شائع ہونے والے پاپس کی جن زمینوں پر اس کی کاشت ہوتی تھی، ان کے علاوہ اور دوسری زمینیں اس مصرف میں آسکتی ہیں یا نہیں، چنانچہ اس کی تحقیق اور معائنہ کے لئے کو با اور تھرس سے تباہی کی کاشت کے ماہرین بلائے گئے ہیں۔

گزشتہ جنگ عظیم میں ترکوں نے جو جانی قربانیاں کی ہیں ترکی وزارت جنگ نے ان کی رپورٹ شائع کی ہے، جس وقت اعلان جنگ ہوا، ترکی کے پاس کل ایک لاکھ پچاس ہزار باقاعدہ فوج تھی اور مسلح لوگوں کی تعداد دس لاکھ بیس ہزار نو سو تھی، لیکن آٹھ بجے جنگ میں اس کی فوج کی تعداد ۲۸ لاکھ، ۵۰ ہزار ہو گئی، جن میں تین لاکھ ۲۵ ہزار افسر اور سپاہی میدان جنگ میں کام آئے، اور

بیرہ (ساحل افریقہ) میں ایک عظیم الجثہ دریائی جانور پایا گیا ہے، اس کا طول ۱۹ فٹ، عرض ۱۰ فٹ بلندی ۴ فٹ اور وزن ۶ سے ۱۰ ٹن تک ہے۔

ماہرین کیمیا نے وہ تمام اجزاء معلوم کر لئے ہیں جن سے انسان کا جسم بنتا ہے اور اس کے بنانے میں بھی کامیابی حاصل کی ہے، لیکن سانس نہ پیدا کر سکے کہ وہ ان کے بس سے باہر کی چیز ہے۔

ڈاکٹر گنن کوش کر رہے تھے کہ وہ ایسے پر بنائیں جنکو لگا کر آدمی پرندوں کی طرح عالم بالا کی سر کر سکے (اڑ سکے) اب وہ اس میں کامیاب ہو گئے ہیں، اور چند دنوں میں ان مصنوعی پروں کا امتحان ہو گا۔

جزیرہ میکولہ کی یہ عجیب رسم ہے کہ وہاں کے دونوں اگلے دانت توڑ دئے جاتے ہیں، ایک لڑکی کی شادی کیسے لازمی ہے کہ اس کا سر مخروطی ہو، ورنہ اس کی شادی نہ ہوگی اور تمام عمر اس کو کنواری ہی رہنا پڑے گا۔

امراض ناک دھلی کے ایک ماہر نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جو خیمہ کی طرح دونوں نتھنوں میں لٹایا جاتا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ اس طرح ہوا چھن کر جاتی ہے اور آدمی ناک اور دھلی کے تمام امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

کلیفورنیا کے ۱۰ ایکڑ کے ایک باغ کو برت اور گھرے سے محفوظ رکھنے کے لئے، اس کے گرد

انشاء علی بن علی

نواب علانی اور مرزا غالب

نواب علاؤ الدین خان علانی مرحوم، والی لوہارو، اور مرزا غالب کے درمیان جو دوستانہ تعلقات اور مراسم محبت تھے، سوانح غالب کا جاننے والا ان سے بغیر نہیں، یہ تعلقات دوستانہ اور مراسم محبت جو دوہم عہد باکمال بخور دن میں تھے، افسوس کہ ان کی ادبی یادگار دنیا سے مٹ رہی ہیں، ہم جناب ضیاء اللہ خان صاحب رامپوری کے ممنون ہیں کہ انھوں نے نواب علانی خان مرحوم کے خلف الرشید نواب مرزا بشیر الدین احمد خان صاحب (نواب) سے ذیل کے منظوم رقعے لیکر ہمیں عنایت فرمائے ہیں،

یہ منظوم رقعے بے تکلفانہ خطوط ہیں، نواب صاحب مرزا کو اپنے ہاں بلاتے ہیں، اور مرزا غالب عذر کرتے ہیں کہ وہاں آم کہاں ملے، مرزا غالب آمون کے بہت شائق تھے، نواب صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ انشاء اللہ تمام فرمائشیں حاضر ہوگی مرزا غالب کے اردو اور فارسی قطعات کا جواب نواب صاحب نے انھیں بحر و قافیہ میں دیا ہے، انشاء اللہ اب وہ بامرہ مجتہدین ہیں، نہ ایسے خود دار اور با محبت لوگ ہیں، نہ ایسے باکمال شاعر ہیں نہ ایسے قدردان امرار

رقعہ مرزا غالب بنام نواب علاؤ الدین خان مرحوم علانی

خوشی یہی آنے کی برسات کے پھین بادہ ناب اور آم کھائیں،

چار لاکھ زخمی ہوئے، اور پندرہ لاکھ ۶۵ ہزار مفرد اور قید ہوئے، اور جس وقت التوائے جنگ ہوئی، اس وقت ترکی فوج میں صرف ایک لاکھ ۵۶ ہزار آدمی تھے،

جنگ سے پہلے امریکہ اور دول یورپ کی قومی ثروت، اور جنگ کے قرضوں کا اندازہ حسب ذیل ہے، ایک ملین ۱۰ لاکھ کا نام ہے،

نام	اندازہ دولت قبل از جنگ	قرض یا سال گذشتہ
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۵۰ ہزار ملین پونڈ	۴۹۵ ملین پونڈ
برطانیہ	۴۰ ہزار ملین پونڈ	۶۳۴ ملین پونڈ
فرانس	۱۳ ہزار ملین پونڈ	۱۲۰۶۰ ملین پونڈ
روس	۱۲ ہزار ملین پونڈ	قرض ۵۰ انکار
جرمنی	۴۰ ہزار ملین پونڈ	۲۳۴۲ ملین پونڈ
آسٹریا	۸ ہزار ملین پونڈ	تقریباً دیوالیہ
ایتلی	۶ ہزار ملین پونڈ	۲۹۰۳ ملین پونڈ

او کسٹورڈ کے ایک پروفیسر صاحب نے حساب لگا کر بتایا ہے کہ کل ستاروں کی تعداد ۵۰ کروڑ

پچاس ہزار ہے،

شتر مرغ کی اوسط عمر کا اندازہ ستر سال سے زیادہ لگایا گیا ہے،

سر آغاز موسم میں اندھے ہیں حسم
سوانح کے جوہر مقلوب حبان
ہوا حکم باد چوں کو کہ بان،
وہ کھٹے کہان پائین اہلی کے بھول
فقط گوشت سو بھیر کا ریشہ دار
کہو اس کو ہم کھا کے کیا خطا ٹھائیں

خوانی بسوئے خوش و ندانی کہ مردہ دم
نے شیخ مرد و ام نہ الہ بخش مرگ من
دانی کہ مردہ راہ و رسم خرام نیست
از عالم خوابت و مرگ حرام نیست

جواب از طرف نواب صاحب مرحوم بنام مرزا غالب

خوشی ہے ہمیں آنے کی آپ کے
سر آغاز موسم میں کیا خوب ہو
عجب لطف ہرین کی برسات میں
سرولی کے وہ ڈاک پر سبز ام
کرین حکم باد چوں کو کہ بان،
وہ لہن باغ سے جا کے اہلی کے بھول
وہ بے ریشہ بکری کا جسم طری
کہیں ان کو بے مہر و کابل اگر،
خوانست سوئے خوش و ندانم کہ مردہ
پنداشت ز حسن تجلی لالی بیگ،
کہ با ہم پائین بادہ اور ام کھائیں،
جو دلی سے حضرت ہمارو کو آئیں
کہ کچھ کہیں نام کو بھی نہ پائیں
وہ دلی سے انگور ہر شام آئیں
ابھی جا کے ہر چیز جسدین پکائیں
وہ جنگل سے کروے کریلے مشکائیں
کہ کیا کیا اسے کھا کے ہم خطا ٹھائیں
ہمارو وہ اس بات پر بھی نہ آئیں
دانم کہ چون توئی منع خرام نیست
مرگت چو شیخ سد و زراہ حرام نیست

احمدیہ

عشقِ سولہ قیدی کی فرما

زندانی بیجا پور میں

تہنائی کے سب دن ہیں تہنائی کی سب باتیں
ہر آن تسلی ہے ہر لحظہ تشفی ہے،
کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے ہین وعدے
سراج کی سی حامل سجد و نمین ہر کیفیت
بے مایہ ہیں ہم لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
شیطانوں کی چالوں سے اب ہو ہین دوا

بیٹھا ہوا توبہ کی، تو خیر منبایا کر،

ملتیں نہیں یوں جو ہر اس دیں کی برتیں،

ایک قیدی کی آزاد بیانی،

فیضِ محبت سے ہے قیدِ محن
میرے لئے ایک بلائے حسن
شامِ غریبان کے برابر کہان
مذہبِ عشاق میں صبحِ وطن

لے وَلِیْسَی الْمُوْمِنِیْنَ مِنْہٗ بَلَاءٌ حُسْنًا (سورہ انفال پارہ نہم)

آہ وہ غار مگر صبر و شکیب ، سلسلہ زلفت شکن در شکن
قفسہ جان وہ سخن دلپذیر ق دشمن دین وہ نگہ سحر فن

جلوہ جانان سے ہے دار السرور خانہ جان اب نہیں بیت الحزن
ہسر و مردت سے تمہیں واسطہ یہ بھی حرفیون کا ہے اک حسن ظن

جب کہ عشق نے حسرت مجھے
کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

غزل فارسی

نواب حسام الملک سید محمد علی حسن خان طاہر

دغیم عشق او دلم از غم ماسوا گدشت گشت دوائی در دل درد کدزد و گدشت
غزت بے نیازیم کرد بے یار ہمہ سرین زود بکام دل رسد ہر کہ زند عا گدشت
دقی رہین میکدہ سر بسجود پائے خسم از لب جام یادہ پرس انجہ بہ پارا گدشت
رفت شباب نامہ نوز است مئی شبانیم بخت براہ ختمہ ماند قافلہ بے دراکدشت
عشق نہ عشق اول است جن نہ جن یار نو فکر در تو ان نمود کارین از جفا گدشت
من بکمال عشق خویش چون ز عقل گزیم گر کمال عقل خویش فلسفی از خدا گدشت

چشم براہ و منظر طاہر و شوخیش مبین

روئے نفقہ آمد و بخیار از قفا گدشت

بَابُ التَّحْفِیْلِ وَالْاِیْتِمَانِ

ضرورت وقت

یعنی

ضعف ملی کا علاج

از مولوی ابوالحسنات ندوی

ملک کے موجودہ انقلابات نے لوگوں کے خیالات میں جو عظیم نشان تغیر پیدا کر دیا ہے، اس کا ایک
منظہر مسئلہ تعلیم بھی ہے، یہ تو سب کو نظر آ رہا ہے کہ جس تعلیمی راستہ پر ہم اب تک چل رہے تھے وہ قابل اصلاح ہے
لیکن اب تک واضح اور بین طریقہ پر قوم کے سامنے کوئی جدید تعلیمی پروگرام پیش نہیں کیا گیا جس میں ہر پہلو
بحث کا استیعاب ہو، ابھی حال میں اس مسئلہ پر جناب مولوی محمد تیمور صاحب ام ۱۰ اسے پروفیسر
اسلامیہ کالج پشاور نے مندرجہ بالا نام کی ایک قابل قدر کتاب لکھی ہے جس کا موضوع بحث خود مصنف کے
لفاظ میں حسب ذیل ہے:

”ہم نے یورپ کیا سیکھا ہے؟ کیا سیکھنا چاہئے تھا اور آئندہ توجہ کس طرف ہونی چاہئے؟“

ایک سوال ہے جو اکثر لوگوں کے دل میں ہے اس رسالہ میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش
کی گئی ہے۔“

کتاب چھ بابوں میں منقسم ہے جن کی تفصیل یہ ہے:

پہلا باب - ہندوستان کے لوگوں نے انگریزی زبان اور مغربی علوم کو کن اغراض سے حاصل
کیا اور گورنمنٹ انگریزی اور مشنریوں نے مغربی علوم کی ترویج و ترقی میں کیا مصالح سمجھے۔

دوسرا باب۔ مغربی علوم کے اقسام اور ان کے فوائد کا مقابلہ، ہندوستانی توجہ کن علوم کی طرف ہے۔
تیسرا باب۔ ہندوستان میں صنعت کی بہت حالت اور اس کے اسباب،
چوتھا باب۔ صنعتی پستی کے متعلق گورنمنٹ اور اہل ملک کی ذمہ داری،
پانچواں باب۔ عملی تجاویز،
چھٹا باب، قومی ترقی کے لئے کن اخلاق کی ضرورت ہے،

خلاصہ ابواب

پہلے باب میں نہایت تفصیل کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی زبان و فنون کی ترویج و اشاعت کی سب سے پہلی کوشش مسیحی مشنریوں کی طرف سے ہوئی، جن کا مقصد اشاعت مذہب تھا، لیکن اس سے ہندوستان کی سطح جامد میں کچھ زیادہ قابل لحاظ جنبش نہیں پیدا ہوئی، ۱۸۳۳ء میں ایک قانون منظور کیا گیا جس کی رو سے ہندوستانی حکومت کی دفتری زبان فارسی کی بجائے انگریزی قرار پائی اور ۱۸۵۷ء میں لارڈ ہارڈنگ نے اعلان کیا کہ آئندہ تمام سرکاری ملازمتوں کے لئے انگریزی والوں کو ترجیح دی جائے گی، یہ قانون اور یہ اعلان مؤثر ثابت ہوا اور اب ہندوستانیوں کی توجہ انگریزی تعلیم کی طرف منعطف ہو گئی، اس سیاسی ضرورت کے علاوہ تجارتی ضرورت بھی مصنف کی رائے میں انگریزی زبان کی اشاعت کا ذریعہ ہوئی لیکن مصنف نے سب سے زیادہ مؤثر اور قوی ذریعہ حکومت کے قانون، لارڈ ہارڈنگ کے اعلان اور ہندوستانیوں کے جذبہ حصول مناصب ملکی کو قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں تمام ضروری محکومات جمع کر دئے گئے ہیں، گورنمنٹ کی جدوجہد اور مشہور و معروف لارڈ مکالے کی تجاویز وغیرہ کے ضروری اقتباسات مندرج ہیں، ہندوؤں میں بنگالی قوم کے رہنمائے اعظم راجہ رام موہن رائے اور مسلمانوں میں سر سید احمد خان مرحوم کی جماعت کے کارنامے اس بارے میں خاص اہمیت رکھتے ہیں، مصنف نے ضروری حد تک ان کا تذکرہ بھی کیا ہے،

اس باب کے آخری چند صفحے مصنف نے اس بحث کیسے بھی نذر کئے ہیں کہ انگریزی حکومت نے جن مقاصد کو پیش نظر رکھ کر یہ انگریزی تعلیم کو رواج دیا، اگرچہ وہ اپنے ان مقاصد میں کامیاب ہوئی لیکن ساتھ ہی لوگوں میں اسی کی بدولت مساوات حقوق اور آزادی و حریت کے خیالات بھی پیدا ہوئے یہ انگریزوں کا خیال ہے، خود مصنف کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں اور انگریزوں کے درمیان موجودہ حالات کے پیدا ہونے کا اصلی سبب فریقین کا یہ خیال ہے کہ تم غیر ہو اور ہم غیر ہیں یا انگریز شاعر ڈیارد کیلنگ کے الفاظ میں،

”مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق اور یہ دونوں کبھی آپس میں مل نہیں سکتے“

دوسرے باب میں مصنف نے علم کی دو قسمیں ذہنی و قیاسی اور عملی و تجربی کے مفہوم میں کی ہیں، انسانوں کے مختلف مدارج اور دولت کے مفہوم کی علمی تشریح نہایت دلچسپ اور مؤثر طریقہ پر کی ہے، علوم و فنون کے ہر صنف کے منافع و فوائد کو دکھایا ہے اور یہ بتایا ہے کہ سوسائٹی ملک اور قوم کو کن اصناف علم و فن سے زیادہ اور کن سے کم فوائد پہنچتے ہیں۔ اس کے بعد یہ دکھایا ہے کہ ہندوستان نے زیادہ تر پہلی قسم کے علوم و فنون یعنی فنی و قیاسی مثلاً ادب، تاریخ، فلسفہ اور کسی قدر علوم سائنس ریاضی کی طرف توجہ کی، اس پر طرہ یہ کہ حکومت نے بھی جو تعلیم اس ملک میں پھیلانی اس کے اصناف و اجزاء بھی یہی رہے، اور عملی و صنعتی تعلیم کی طرف مدتوں کوئی توجہ ہی نہیں کی گئی، ان بیانات کو مصنف نے زبردست و صریح دلائل و شواہد سے ثابت کیا ہے، تعلیمی رپورٹوں کے پیش کردہ شمار و اعداد سے ان کی تائید کی ہے اور آخر میں ان کنیکٹل اسکولوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو مدت کی تباہی و بربادی کے انسداد کیلئے منصوبہ بندی، مدراس، کلکتہ، سیرام پور، لکھنؤ، اور لاہور میں قائم کئے گئے لیکن ان تعلیم گاہوں کی حیثیت تپتے ہوئے ریگستان میں پانی کے چند قطروں سے زیادہ نہیں ہے، تیسرے باب میں پہلے اٹھارہویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی ترقی یافتہ تجارتی

حالت دکھا کر ان اسباب کی تشریح کی گئی ہے جن سے ہندوستان کی صنعت و حرفت پر زوال آیا مثلاً مغربی دنیا میں نئی نئی کلون کا ایجاد ہونا جن کا کامیاب مقابلہ ہندوستان کی دستی صنعتیں نہ کر سکیں، حکومت کا انگلستان میں تحفظ تجارت اور ہندوستان میں آزاد تجارت کا اصول اختیار کرنا۔ آگے چلکر ملک کے موجودہ صنعتی انحطاط کو روکنے کی تدابیر پر بحث کی گئی ہے، اس سلسلہ میں ریلوے سسٹم کی بحث خاص طور پر قابل ذکر ہے، موجودہ انحطاط کو روکنے کیلئے مثبت اور منفی دونوں طرح کے طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے، سودیشی تحریک پر بھی کافی بحث موجود ہے۔ آخر میں نہایت خوش سلیقگی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اب تک نئے طریق پر ہندوستان نے کتنی صنعتی ترقی کی ہے۔ بحث کے ہر حصہ میں قطعی دلائل اور مستند اعداد و شمار کو پیش کیا گیا ہے۔

چوتھے باب میں تفصیل کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ حکومت نے آغاز ۱۹۵۱ء تک صنعتی ترقی کے لئے کیا کوششیں کیں، مقبوضہ ممالک میں انگلستان کی صنعتی پالیسی کی نہایت معنی خیز تشریح پھر ضروری حد تک جرمنی اور جاپان کی صنعتی ترقی کے ذرائع و وسائل کی تفصیل کی گئی ہے یہاں پر اس حالت کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو ہندوستان میں اس کے ایک ماتحت ملک ہونیک کی وجہ سے پیدا ہے، پھر آگے چلکر صنعتی ترقی کیلئے ملک کے ہر طبقہ، نواب، راجہ، طبقہ امرا، متوسطین اور تعلیم یافتہ اصحاب کے فرائض کی توضیح کی گئی ہے،

پانچویں باب میں عملی تجاویز یعنی صنعتی و زراعتی انجمنوں، تعلیم گاہوں اور بینکوں کے قیام کی تحریک و تجویز ہے مصنف نے اس باب کے آغاز میں لکھ دیا ہے کہ ہمارا یہ خیال نہیں ہے کہ ان کے علاوہ یا ان سے بہتر اور تجاویز نہیں ہو سکتیں بلکہ ہم ان کو مثال کے طور پر لکھتے ہیں تاکہ اہل الرائے اصحاب کی اس طرف توجہ ہو،

چھٹے باب میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ قومی ترقی کے لئے کن اخلاق

کی ضرورت ہے، یہاں اخلاق سے مراد وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے بعض لوگ کسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مل کر کام کر سکتے ہیں۔ اس باب میں مصنف کی قوت تحریر، غور و فکر اور مؤثر طرز تحریر کا پورا ظہور ہوا ہے، اسی سلسلہ میں مصنف نے بتایا ہے کہ اطاعت جماعتی، وقوفی ترقی کا ضروری عنصر ہے، اور اس کو نہایت تفصیل کے ساتھ اور نہایت دلچسپ و مؤثر طریقہ پر لکھا اور دکھایا ہے مثلاً منظم قوم ہونیکا یہ اثر ہے کہ جب زیر حکومت ضرورت ظاہر کرتا ہے کہ لڑائی کیلئے آدمیوں کی

ضرورت ہے تو لاکھوں آدمی بغیر مجبوری کے اپنی رضامندی سے چلے آتے ہیں ایسے ہی

جب مقدر اور بار سونخ لوگ کسی مسئلہ پر کچھ لکھ دیتے ہیں تو ہر شخص کی زبان پر ان کے

الفاظ اور ہر شخص کے دل میں وہی خیالات ہوتے ہیں، لباس کا یہ حال ہے کہ جیسا ایک

رہنمایاں فیشن پسند کریں ہر شخص وہی لباس پہنتا ہے، اگر یورپ کے کسی شہر میں دیکھا جائے

تو تمام لوگ قریباً ایک ہی قطعہ اور مرد تقریباً ایک ہی رنگ کا لباس پہنے ہوئے ہوتے

ہیں، عورتیں بھی ان اقسام سے باہر نہیں جاسکتیں، جوشن میں داخل ہیں، اگر اونچے

گون کی رسم ہوئی ہے تو جلد ہر دیکھتے ہیں گون پنڈلیوں تک یا قریباً گھٹنوں تک نظر

آتے ہیں اگر آستین چھوٹی رکھنے کا فیشن ہے تو ہر لڑی کے بازو ننگے نظر آتے ہیں،

اگر سینہ تنگ رکھنے کی رسم ہے تو خواہ سردی سے بیمار ہو جائیں مگر سینہ فیشن کے مطابق

تنگا ہے، غالباً فی نفسہ یہ باتیں قابل تضحیک ہوں مگر یہ ایک قوم کی یگانگت اور

اطاعت کی علامات ہیں۔ جب پہنتے ہیں تو سب ایک لباس پہنتے ہیں جب رہتے

ہیں تو ایک سے مکانوں میں رہتے ہیں جب سوچتے ہیں تو سب ایک ہی قسم

کے مسائل سوچتے ہیں۔

اس اقتباس سے واضح ہوگا کہ مصنف کی نظر کس قدر چھوٹی چھوٹی باتوں اور معمولی معمولی

حالتوں تک پہنچی ہو، آگے چل کر مصنف نے لکھا کہ ہندوستان کی تین تیس کروڑ کی آبادی کو معنوی حیثیت سے چند ہزار کی آبادی پر لے آنا چاہئے۔ اس کا ذریعہ اس کی رائے میں انجمنوں کا قیام اور ہر ہندوستانی کا کسی نہ کسی انجن میں داخل ہو جانا ہے تاکہ افراد کی شخصیتیں چند اجتماعی انجمنوں میں فنا ہو جائیں وہ کہتا ہے اور غالباً سچ کہتا ہے کہ

ترقی کا پہلا ذریعہ ہندوستان اس وقت ملے کر لگا جب

ان انجمنوں کے ذریعہ سے ملک میں افراد کم ہو جائیں گے اس وقت ہندوستان کی آبادی تین تیس کروڑ افراد پر مشتمل ہو ترقی تب ہوگی جب کم ہوتے ہوتے ایک ہزار یا اس سے بھی کم انجمنوں تک محدود ہو جائیگی۔ اس وقت ایک طوفان بے تیزی برپا ہے نہ کسی کی کوئی ستا ہو نہ کوئی سنا سکتا ہے سوائے ایک محدود سیاسی جماعت یا گورنمنٹ کے جو منظم ہیں، باقی تمام ملک ریت کے ذروں کی طرح ہر ان لوگوں کا کوئی کام مگر کرنا ایسا ہی شکل ہے جیسے ریت کی رتی بنانا۔

ماخذ کتاب | ماخذ اور حوالے تمام تر صحیح، مستند اور قابل اعتماد ہیں مثلاً کلکتہ یونیورسٹی کمیشن رپورٹ، ممکالے کی تحریریں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کی مراسلتیں، دی ریل انڈیا مصنفہ سرریس، انڈین انڈسٹریل کمیشن رپورٹ، حکومت ہند کی تعلیمی رپورٹیں، ہندوستان کے ٹکنیکل کالجوں کی ڈائریکٹری، گروتھ آف انگلش انڈسٹری اینڈ کامرس مصنفہ کنگم، انڈسٹری اینڈ ٹریڈ مصنفہ افریدی مارشل، انکوائری آف انڈیا مصنفہ بابو دت، ماڈرن جاپان مصنفہ کونت آکوما، ماڈرن جرمنی مصنفہ مشربار کر اور دوسری مستند کتابیں رسائل اور اخبارات۔

طرز بیان | زبان بالکل صاف، سہل روان اور وزنی الفاظ و تخفیف محاورات سے عموماً پاک ہے، طرز بیان سنجیدہ متین اور موثر ہے۔ پڑھنے والے کو بار بار رکنے اور غور کرنیکی

غالباً ضرورت نہ ہوگی، انداز بیان میں کہیں کہیں خطابت کی جھلک آجاتی ہے یا ممکن ہے سطر زیان کی صفائی، روانی اور جرسنگی کا اثر ہو۔

اختلاف رائے | کتاب کے بعض مقامات میں مجھے مصنف سے اختلاف رائے بھی ہے۔ مثلاً باب اول کا آخری حصہ جس میں یہ بحث چھیڑی گئی ہے کہ ہندوستان میں مساوی حقوق کی طلب کا جو جذبہ پیدا ہوا اس کا سبب کیا ہے؟ غالباً اس بحث کو اگر نہ چھیڑا جاتا تو بہتر تھا مقصد کتاب اور مضمون باب دومین سے کسی کو اس سے چند ان تعلق نہیں، سودیشی تحریک اور ہندوستان کی موجودہ دوسری تحریکوں کا جہان ضمنی تذکرہ آگیا وہاں مناظرانہ شان پیدا ہوگئی ہے، ایک سنجیدہ اور لائق تصنیف کا دامن یقیناً ان کاٹھوں سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ چھٹا باب خاص طور پر مؤثر، دلچسپ و پر زور ہے، بحث بھی کافی حد تک عمیق اور فلسفیانہ ہے تاہم ضرورت تھی کہ اس کو مزید استقصاء، حسن و خوبی اور بلند طرز بیان میں لکھا جاتا کیونکہ یہ کتاب کی روح ہے اگرچہ اب بھی یہ روح قوی ہے لیکن پھر بھی میری رائے میں اس کو مزید غور و فکر کے بعد قوی تر بنایا جاسکتا تھا۔

لسانی حیثیت سے بھی بعض عبارتیں اور الفاظ قابل گرفت ہیں مثلاً صفحہ ۱۱ میں قدم مارا لکھنے پر فارسی محاورہ کا مزد کا صحیح اور بالکل صحیح ترجمہ ہے لیکن اردو میں اس کا استعمال مقدمین کے عہد کے ساتھ ساتھ ختم ہو گیا اب اس کا استعمال مناسب نہیں۔

کتاب کا مقصد اور درجہ | اس کتاب سے مصنف کا مقصد قوم کی اصلاح کرنا اس کو دعوت عمل دینا اور اس کے سامنے مفید عملی تجویزیں پیش کرنا ہے مجھے یہ کہنے میں کوئی تذبذب نہیں کہ مصنف اپنے مقصد میں ہر طرح کامیاب ہے، اصلاحی نقطہ نظر سے کتاب کو جدت کا درجہ حاصل ہے اور تصنیفی حیثیت سے یہ موجودہ اردو مصنفات کی صف اول میں داخل ہو سکتی ہے، میں اس مفصل تحریر کو اپنا وہ جملہ لکھے بغیر ختم نہیں کر سکتا جو کتاب کو جابجا سے پڑھنے کے بعد پہلی مرتبہ بے ساختہ میری

زبان سے نکلا تھا کہ

اگر اس مسلمان مصنف کا تعلق اس سرزمین پنجاب سے جو سعی و عمل کا غیر معمولی
مادہ اپنے اندر رکھتی ہے، نہوتا تو اس کو ایسی مفید و عمدہ کتاب کے مصنف ہونیکا
غرضکل سے حاصل ہوتا،

لکھائی چھپائی صاف ستھری، کاغذ سفید چکن، تقطیع متوسط صفحے ۱۸۸ قیمت عمر

مصنف کے پتہ:۔ محمد تیمور صاحب ایم اے پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور سے

یا
بمحرور بازار الیکٹریک پریس کارخانہ وکیل امرتسر سے طلب کیجئے،

مصنفین کی نئی کتاب

سیر اصحابیات

از

مولوی سعید انصاری

جس میں نہایت مستند حوالوں سے، ازواج مطہرات، نبات طاہرات اور عام صحابیات
کے سوانح اور ان کے اخلاقی، مذہبی اور علمی کارنامے درج ہیں۔ لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ،

صفحات ۲۲۵، قیمت ۲۰ روپے،

فیچر

مطبوعات جدید

سیر ایران، شمس العلماء محمد حسین آزاد دہلوی نے دو اولادین اپنی یادگار چھوڑیں، ظاہری
اور باطنی، مبارک ہیں وہ ظاہری اولادین جو اپنے بزرگوں کی باطنی اولادوں کی پرورش اور نشوونما
کا سامان کر سکیں، آزاد مرحوم کے پوتے آغا محمد طاہر بن مبارک اولادوں میں ہیں جو جد امجد کے
منتشر اوراق اور مسودوں کو گرد و غبار سے پاک کر کے ترتیب و اہتمام کے ساتھ چھاپ کر شائع کر رہے
ہیں، اس سلسلہ میں ابھی حال میں انھوں نے سیر ایران، شائع کی ہے، یہ حضرت آزاد مرحوم کے سفر ایران
کے مختلف سرسری واقعات کا مجموعہ ہے، بڑا حصہ اس کا مرحوم نے ایک خطبہ کی صورت میں لاہور
کے ایک مجمع کے سامنے پڑھ کر سنایا تھا، باقی روزنامہ کی حیثیت رکھتا ہے، زیادہ تر زبان اردو ہے،
کہیں کہیں فارسی ہے، مجموعہ گو مختصر ہے مگر دلچسپ اور ایران کی پرانی زندگی کی تصویر ہے، چھوٹی تقطیع،
صفحات ۱۸۸، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، قیمت مجلد مطلقاً عمارت غیر مجلد غیر تہ:۔ آزاد بکڈپو۔ اکبری منڈی لاہور
روح نظیر، نظیر آبادی کی ہر قسم کی ننوی، عروضی، اور شاعرانہ غلطیوں کے تسلیم کر لینے کے بعد
بھی ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ ایک کامل شاعر تھا، وہ اس زمانہ میں پیدا ہوا جب شاعری صرف تغزل کا
نام تھا، لیکن اس نے اپنی شاعری کے لئے الگ شاہراہ نکالی، اور اخلاق تصوف کو افسانہ، حکایات
اور بولیوں میں اس طرح ادا کیا ہے کہ اب وہ ہر گداگر فقیر کی زبان قال ہے، پروفیسر شہباز
عظیم آبادی مرحوم کے سوا ہمارے اہل قلم اصحاب نے نظیر کی طرف بہت کم توجہ کی، آج ہمارے
سامنے نظیر کے ایک ہولن ادیب محمود اکبر آبادی بی۔ اے کی تالیف روح نظیر ہے، جس میں مولف نے نظیر کے
بہترین کلام کو منتخب کر کے یکجا کیا ہے، اور شروع میں نظیر اور اس کی شاعری پر ۱۶۲ صفحوں کا ایک

مقدمہ لکھا ہے اس مقدمہ میں مختلف حیثیتوں سے نظیر کے کلام پر تقریظ اور تبصرہ ہے، نظیر ہندی اور متروک الفاظ اکثر نظم کرتا ہے، محمود صاحب نے کتاب کے آخرین ان الفاظ کو یکجا کر کے ان کے معنی لکھے ہیں، اس کے بعد نظیر کے ان منظومات میں جو نام اور تعلیمات آئے ہیں ان کی توضیح کی ہے، آخرین فہرست ابواب ہے ضخامت ۲۰۰ صفحات، تقطیع چھوٹی، قیمت عمارتہ :- رام پرشاد انڈیا پرائرس کتب فروشان، چوک اگرہ،

رباعیات سرمد سرمد کی رباعیان اس سے پہلے بھی چھپی ہیں، مگر اس زیر تنقید طبع میں ایک جدت یہ کی گئی ہے کہ ہر فارسی رباعی کے نیچے رباعی ہی میں اس کا اردو ترجمہ بھی درج کیا گیا ہے، آغاز میں مولنا ابوالکلام کا ایک پرانے مضمون، سوانح سرمد کو دیا چہ بنایا گیا ہے، رباعیات کا اردو ترجمہ سید نواب علی صاحب صولت لکھنوی نے کیا ہے، رباعی کا رباعی ترجمہ میں ایک مشکل کام ہے، لیکن ہم مترجم کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انھوں نے اس مشکل کو پوری طرح حل کیا ہے، سرمد کی اصل رباعیوں کے انتخاب میں زیادہ تدقیق و کاوش سے کام نہیں لیا گیا ہے، بعض رباعیان تو کھلی ہوئی خیاں کی ہیں، بعض پر ہم کو سلطان ابوسعید البخیری کا دھوکا ہوتا ہے، ضخامت ۹ صفحات، لکھائی چھپائی صاف، قیمت مجلد ہم غیر مجلد ۱۲ رپتہ :- شاہجہانی پریس، کٹرہ گوگل شاہ، دہلی،

خانہ داری، محترمہ محمدی بیگم صاحبہ مرحومہ جن کی نسبت سے اخبار تہذیب نسوان اب تک قائم ہے اور جو متعدد زمانہ تصنیفات کی مالک تھیں، یہ کتاب بھی انھیں کی ایک تصنیف ہے، جس میں خواتین کو آسائش، صفائی، تہذیب اور کفایت شناری سے رہنے پہننے کے قاعدے اور اور آداب بتائے ہیں، ہر شریف گھرانے میں اس کا ایک نسخہ رہنا چاہئے، ضخامت ۱۱۰ صفحات، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت غیر تہ :- دارالانشاعہ پنجاب لاہور،

دیوان حمید، مولنا کا فارسی دیوان مع تصویر ۱۲
خرد نامہ منظوم، محاسن فارسی زبان میں اشال
سیلان کا ترجمہ

مولنا سید سلیمان ندوی

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں کریمین
معاذ اللہ، قوم پرست بنو اعلیل، اصحاب لڑیں اصحاب کفر
بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت
زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث ۲۵۱ صفحہ ۲۵۱

سیرۃ عائشہؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے احوال زندگی قرون اولیٰ کی
خانہ جنگیوں کے اصلی اسباب اور ام المؤمنین کے
فضائل و مناقب وادائے اجتہادات و کمالات پر
مفصل تبصرہ ضخامت ۳۵۰ صفحہ قیمت ۳۵۰

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی دشگری
دروس الادب عربی کی پہلی اردو طبع سوم مع قریم ۲
دوسری ریڈر طبع دوم

رسالہ اہل سنت والجماعت فرقہ اہل السنۃ والجماعہ کے
اصولی عقائد کی تحقیق

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطا
مالک پر تبصرہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس
عہد تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات

اور سلاطین ہند کے سکون اور کبتوں سے انکابت، ۸
یہا در خواتین اسلام، ۲

مولانا عبدالسلام ندوی

سیرۃ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، سوانح عمری عبدالعزیز
کی مفصل سوانح عمری اور اسکے عہد حکومت کے تمام علمی
ذوق اور سیاسی کارناموں اور اسکے عہد وادارہ اعمال کی شرح
و توضیح صفحہ ۱۹۰ قیمت

اسوۃ صحابہ، صحابہ کرام کے عقائد و عبادات، اخلاق
اور معاشرت کی صحیح تصویر اور قرن اولیٰ کے اسلام کا کلی
خاکہ، مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، صفحہ ۲۵۰
قیمت

مولوی عبدالباری ندوی

برہان اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برہان کے حالات
زندگی اور اسکے فلسفہ کی تشریح مجددہ، غیر عادی
مبادی علم انسانی، ادبیت کی تردید میں برہان کی مشہور

کتاب پر سلسلے تیسویں تالیف کا نہایت فہرہ اور غنیہ
حیوانی انسان پر بحث کر کے ادبیت کا ابطال کیا ہے، جلد
مذہب و عقلیات، لیکن پروردگار لائق درستی پر
فلاسفہ کے بیانات سے ثابت کیا گیا ہے، کہ مذہب و عقل

میں تضاد کا امکان ہی نہیں،

مولوی عبدالماجد بی اے

فلسفہ اجتہاد، جماعات انسانی کا علم انفس
فلسفہ جذبات و جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح،

تاریخ اخلاق یورپ، لیکن کی مارل ہیری آف اور
کا ترجمہ، بین فلسفہ اخلاق پر ضمنی مباحث کے علاوہ

یورپ کے مذہبی اخلاقی رفتار کی تشریح کی ہے،
قیمت جلد اول ہے، جلد دوم ۳۵